الاصلاح

دائرہ حمیدیہ کا ماہوار علمی و مذہبی رسالہ

مرتبہ

امین احسن اصلاحی

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۹۰۲

دائرہ حمیدیہ کی اعانت

دائرہ حمیدیہ کی خدمت و اعانت، کتاب الٰہی کی خدمت و اعانت ہے۔ اسکی تین صورتیں ہیں:-

(۱) جو حضرات سو روپے یکمشت دائرہ کو عنایت فرمائیں گے وہ دائرہ کے معاون دائمی تصور ہوں گے۔ ان کو دائرہ کا رسالہ الاصلاح اور تمام مطبوعات ہدیۃً دیجائیں گی۔

(۲) جو حضرات پچاس روپے یکمشت عنایت فرمائیں گے ان کو رسالہ الاصلاح اور دائرہ کی دوسری مطبوعات برابر نصف قیمت پر دیجائیں گی۔

۳- جو حضرات دس روپے سالانہ عنایت فرمائیں گے ان کی خدمت میں الاصلاح ہدیۃً جاری کیا جائے گا اور سال بھر کی مطبوعات بلا قیمت بھیجی جائیں گی۔

ہدایات و قواعد

۱- الاصلاح ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ تک شائع ہوگا۔

۲- اگر مہینہ کے آخر تک پرچہ نہ پہنچے تو فوراً دفتر کو لکھکر منگوا لیجئے ورنہ بقیمت بھیجا جائے گا۔

۳- مضامین وغیرہ اڈیٹر کے نام بھیجئے اور دفتر سے متعلق امور کیلئے تمام خط و کتابت منیجر سے کیجئے۔

۴- دفتر سے خط و کتابت کرنے میں خریداروں کو نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہیے۔

۵- چندہ سالانہ چار روپے۔ بیرون ہند کے لئے چھ روپے۔ فی پرچہ چھ آنے۔

عبدالاحد اصلاحی منیجر دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڈھ

عبدالاحد اصلاحی نے دائرہ حمیدیہ کیلئے الاصلاح پریس سرائے میر اعظم گڈھ میں چھپا کر شائع کیا۔

دائرۂ حمیدیہ کی اُردو مطبوعات

تفسیر سورۂ اخلاص

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ اخلاص کی تفسیر اردو میں لکھی ہے، اس سورہ کی ہر دور میں بیشمار تفسیریں لکھی گئیں۔ لیکن اہل نظر نے اعتراف کیا ہے کہ علامہ فراہیؒ کی تفسیر میں جو نکتے بیان ہوئے ہیں، ان سے تمام تفسیریں خالی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین، کاغذ نہایت عمدہ۔ قیمت :- ٣/

تفسیر سورۂ والتین

استاذ امام علامہ فراہی رحمۃ اللہ کی تفسیر سورۂ والتین کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں تین، زیتون، طور سینین اور بلد امین سے وجہ استشہاد اور ان کی تحقیق کے متعلق مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ تحقیق اور وسعت نظر کا اعجاز ہے۔ قیمت ٢/

تفسیر سورۂ کوثر

استاذ امام مولانا فراہی رحمۃ اللہ کی تفسیر سورہ کوثر کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں کوثر کی تحقیق خانہ کعبہ کی روحانی حقیقت اور نماز و قربانی کے اسرار و حقائق پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کتابت و طباعت جاذب نظر تقطیع ٢٠×٢٦، حجم ٣٣ صفحے۔ قیمت ٨/

| جلد ۴ | ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۳۹ء | نمبر ۲ |

فہرست مضامین

شذرات	امین احسن اصلاحی	۲ - ۸
معارف قرآن		
تفسیر سورہ ذاریات	استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ	۹ - ۱۶
اقسام القرآن	" " "	۱۷ - ۲۹
موعظہ حسنہ		
محمد قرآن کے آئینہ میں	جناب مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی	۳۰ - ۴۰
مذاکرہ		
ہمارے علما کے باہمی اختلافات (۲)	امین احسن اصلاحی	۴۱ - ۵۱
مقالات		
یونس	جناب مولوی عزیز الرحمن صاحب اصلاحی رفیق مدرسۃ الاصلاح	۵۲ - ۵۹
تقریظ و تبصرہ	" " "	۶۰ - ۶۴

شذرات

نوجوان کی موت!

حافظ، قاری توحید احمد صاحب ہمارے مدرسہ کے نہایت مخلص استادوں میں سے ہیں۔ ان کا جواں سال بیٹا، مولوی عبدالرحمٰن، ۲۰-۲۲ برس کی عمر، نہایت سعادتمند، ہونہار، تندرست، مدرسہ کے آخری درجہ کا طالبعلم، میعادی بخار میں مبتلا ہوا، اور تقریباً ایک مہینہ صاحب فراش رہ کر ۱۶ اگست کو، قریباً ۱۱ بجے دن میں، عین مدرسہ پر انتقال کر گیا۔ اس غم انگیز واقعہ سے، مرحوم کے والدین، اعزہ، احباب، اساتذہ، اور سب سے زیادہ اس کی جوان بیوہ کو، جو صدمہ پہنچا ہے، اس کا صحیح اندازہ کون کر سکتا ہے! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان سب کو صبر عطا فرمائے کہ یہی وہ ناؤ ہے جس کے ذریعہ زندگی کے اس متلاطم سمندر کے اندر، انسان اپنی عقل کے سفینہ کو صحیح سمت میں لے جا سکتا ہے۔ وما یلقٰھا الا ذو حظ عظیم۔

ایک کمزور انسان کے پاس چند رسمی الفاظ تعزیت کے سوا اور کیا ہے جو ان زخمی دلوں کو پیش کر جائے۔ میں جس وقت اس واقعہ کا تصور کرتا ہوں، جذبات کے ہیجان و تلاطم کے اندر عقل بالکل بے بس ہو کے رہ جاتی ہے۔ ایپکٹیٹس (Epictetus) کو عقل کی صلاحیتوں اور قابلیتوں پر اتنا اعتماد بلکہ ناز ہے کہ خود "جوپیٹر" کو تحدی کرنے سے نہیں جھجکتا کہ وہ جو مصیبت چاہے اس پر ڈال کر دیکھ لے اس کی پیشانی پر شکن نہ آئے گی۔ مگر اس واقعہ کی اطلاع سنکر خود اپنا حال یہ ہوا کہ اس کی تاب ہاتھ سے چھوٹ گئی اور غم نے سارے اصول زندگی بھلا دیئے۔ مگر بہر صورت موت بڈھے کی ہو یا جوان کی، اپنے وقت پر آتی ہے اور بالکل ٹھیک آتی ہے۔ یہ بات خدا کے حکم سے ہوتی ہے اور اگر ہمارا ایمان ہے کہ خدا حکیم و رحیم ہے

تو ہمارا یہ اعتقاد بھی غیر متزلزل ہونا چاہئے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ البتہ ہماری عقل ناقص اور محدود ہے اس لئے اس کی حکمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتی اور یہی چیز ہے جو غم کا باعث ہے۔ آج حکمت ابتلا نے واقعات پر ایک پردہ ڈال رکھا ہے اور کوئی نہیں ہے جو اس پردہ کو اٹھا سکے:

پردہ چھوڑا ہے وہ تو نے کہ اٹھائے نہ بنے

اور جبتک یہ پردہ نہ اٹھے اس وقت تک ہم کو صرف یہ ایمان تسلی دے سکتا ہے کہ خدا حکیم ہے۔ اور اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ ہاں جب پردہ اٹھے گا، حقایق بے حجاب ہوں گے، آسمان و زمین خدا کے نور سے جگمگا اٹھیں گے، اسوقت ہم دوپہر کے سورج کی طرح دیکھیں گے کہ جو بات ہوئی اپنی جگہ اور اپنے وقت کے اندر ہوئی اور اسقدر موزوں، صحیح اور فرد، خاندان بلکہ مجموعۂ کائنات کیلئے اسقدر نافع ہوئی کہ اس سے زیادہ نافع کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن نے سورہ کہف میں اس راز کو کشف انام کیا ہے اور یہ ہماری سیر باطن کا وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑے زور آوروں کی عقل نے ٹھوکر کھائی ہے، مگر بندۂ مومن کا سفینۂ عقل و ایمان اس گھاٹی کے اندر بھی تمام آفات سے محفوظ ہے۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

قاری صاحب نے جس مومنانہ عزیمت و صبر سے اس حادثہ کا مقابلہ کیا ہم اس پر ان کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکی عزیمت و استقامت کو دوسرے اعزا کیلئے ایک مثال بنائے۔ یہ حادثہ ان کے لئے اور انکے تمام متعلقین کیلئے نہایت دردانگیز ہے۔ انھوں نے زندگی کی نہ جانے کتنی راحتیں قربان کر کے جس بچہ کو پالا پوسا، تعلیم و تربیت دی، یہانتک کہ وہ جوان ہوا، عالم فاضل ہوا، اس سے آرزوئیں وابستہ ہوئیں، وہ سارے گھر کا مرکز نگاہ بنا اور جب سب کچھ ہو چکا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اٹھا لیا۔ خیال کیجئے، یہ کوئی معمولی واقعہ ہے؟ ماں اگر ماں ہے، باپ اگر باپ ہے، بیوی اگر بیوی ہے تو کرۂ ارض کی دولت بھی ایسے موقع پر تسلی نہیں دے سکتی۔ لیکن مومن کا نفس مطمئنہ ٹمٹماتا ہوا دیا نہیں جو ہوا کے معمولی جھونکوں سے بجھ جائے

وہ دہکتا ہوا تنور ہے جو ہواؤں کے جھونکوں سے اور زیادہ بھڑکتا اور رکاوٹوں کو اپنی غذا بنا کر ان سے اور زیادہ قوت اور زندگی حاصل کرتا ہے۔ وقالوا لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا۔

خدا رحمان و رحیم ہے۔ انسان جیسے کمزور بندے سے عداوت و دشمنی اس کی شان کے منافی ہے پس جو ثابت قدم ایسی آزمائشوں میں پورے اتریں، جو اپنے پروردگار سے کسی حالت میں بدگمان نہ ہوں، جنکا دل ہر زخم میں مرہم کی لذت محسوس کرے اور جنکے ایمان و یقین کو مصیبت دوبالا کرے، کون بتا سکتا ہے کہ ایسوں کے لئے غیب کے پردوں میں اس نے آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے! یہ دنیا زندگی کا صرف ایک اسٹیج ہے اور مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس مرحلہ میں واقعات پر کوئی حکم لگائے اور بے صبر ہو۔ اسکی صحیح حقیقت اسی وقت نظر آئیگی جب یہ اپنی مجموعی صورت میں جلوہ گر ہو اور یہ جلوہ گری آخرت میں ہوگی۔ البتہ قرآن میں ہم اسکا جلوہ دیکھ سکتے ہیں مگر آج ہم قرآن سے زیادہ دور کسی چیز سے بھی نہیں اور ہماری ساری محرومی و بدبختی یہی ہے۔

مرحوم کی تیمارداری میں طلبہ نے جو سرگرمی دکھائی، اساتذہ نے جو تعلق قلب ظاہر کیا، طلبہ کے معالج جناب استاذی حکیم محمد احمد صاحب، اور جناب حکیم محمد ادریس صاحب نے جو شفقت و ہمدردی کا معاملہ کیا وہ سب حق تھا جو ادا کیا گیا اور حق کو ادا ہی ہونا چاہیے۔ البتہ متعلقین مدرسہ جناب حکیم حافظ محمد اسحق صاحب، جناب حکیم محمد الیاس صاحب، جناب حکیم شبیر احمد صاحب کے نہایت شکر گذار ہیں کہ ان حضرات نے بار بار مریض کو دیکھنے اور حسبۃً للہ مشورہ دینے کی زحمت گوارا فرمائی۔ خصوصیت کے ساتھ جناب حکیم محمد اسحق صاحب کئی بار اعظم گڈھ سے تشریف لائے۔ اور ہر طرح کی ہمدردی و ایثار اور مشورہ سے متعلقین کو ممنون کیا۔

جمعہ کی نماز کے بعد اساتذہ و طلبہ نے مرحوم کی تجہیز و تکفین کے فرائض ادا کئے۔ اور پڑوس کے گاؤں حسن پور کے قبرستان میں، جس گاؤں سے مرحوم کا ننھیالی رشتہ تھا، عصر سے کچھ پہلے میت سپرد خاک کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح کو شاد و خرم رکھے اور اسکے غمگین اعزہ بالخصوص اسکی دل شکستہ بیوہ اور رنجیدہ ماں کو صبر، سکینت اور طمانیت

کی دولت بخشے۔ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

"خوفناک جھوٹ" اور "ہولناک تشدد"

معاصر بجنور نے اپنی ۱۸ اگست کی اشاعت میں اچاریہ کرپلانی کا ایک مضمون شائع کیا ہے۔ یہ مضمون یونائٹڈ پریس کے ذریعہ اصلاً انگریزی اخبارات میں نکلا ہوگا۔ ہمارے سامنے اسکا ترجمہ ہے۔ اصل مضمون ہم نہیں پڑھ سکے مگر اطمینان ہے کہ ترجمہ پوری دیانت داری کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ مضمون ہندوستان کی سوشلسٹ جماعت کیلئے اور سوشلسٹ سے زیادہ مسلمانوں کے لئے ایک چیلنج ہے۔ اچاریہ کرپلانی آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری ہیں اسلئے ان کے ذمہ دار آدمی ہونے میں بحث نہیں۔ یہ بیان شخصی رائے کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ جنرل سکریٹری نے اسمیں کانگریس کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے۔ پس اگر کانگریس کی مجلس عاملہ کے ارکین اسکی تردید نہیں کرتے تو سوشلسٹ کا معاملہ تو انکے حوالہ ہے مگر مسلمانوں کیلئے صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ وہ کانگریس کو انگریزی بیوروکریسی سے بھی زیادہ ملعون اور نفرت انگیز چیز سمجھیں۔

معزز معاصر نے اس کے بعض اہم فقروں پر نشان لگائے ہیں، مگر اسکی ہر سطر مغرورانہ اور زہر آلود ہے۔ ہم ان فقروں کو نقل کرکے ان صفحات کو آلودہ نہیں کرنا چاہتے۔ اسمیں مسلمانوں کیلئے جو جارحانہ لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے اس کو کوئی خوددار مسلمان برداشت نہیں کرسکتا۔ اگر "کانگریس گاندھی جی کے فلسفہ کا نام ہے"، اگر "گاندھی جی کے فلسفہ میں اور کانگریس کے پروگرام میں بالکل عضویاتی تالیف و ترکیب ہے"، "اگر کانگریس ہماری معاشرت کو بالکل بدل ڈالنا چاہتی ہے"، "اگر ہماری تحریک کو صرف سیاسی نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسکو گاندھی جی کے روحانی اور اخلاقی فلسفہ زندگی کے ماتحت ہونا چاہیے"، "اگر تمام دقتوں کے باوجود گاندھی جی اسی جماعت انقلاب کو رونما کرنا چاہتے ہیں"، "اگر کانگریسی اسکیموں کا قلم کسی اور فلسفہ پر نہیں لگایا جا سکتا"، "اگر تعلیم کی نئی اسکیم میں

بچوں کو گاندھی جی کی نئی سوسائٹی میں جگہ حاصل کرنے کیلئے تربیت دیجا رہی ہے۔ تو کرپلانی جی کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان صرف یہی نہیں کرینگے کہ وہ کانگریس کے اندر یا باہر رہ کر ان کے لئے اور گاندھی جی کیلئے صرف ایک لاینحل عقدہ بنے رہیں بلکہ اس سے بڑھکر وہ کانگریس کے لئے ایک سوط عذاب بننے کی کوشش کریں گے۔ ولیس ذالک علی اللہ بعزیز فانتظروا انی معکم من المنتظرین

گاندھی جی کا فلسفہ جس کو اس مضمون میں تمام شرائع و ادیان کے ناسخ اور تمام تہذیبوں کے ادم کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا بلا ہے؟ سچائی جس کے وہ اتنے بلند بانگ مدعی ہیں، اسکی تعریف اور اسکا معیار کیا ہے؟ اگر گاندھی جی کا قول و فعل۔ تو اس کو صرف وہ قوم تسلیم کرسکتی ہے جو انسان کو پوج سکتی ہو اور اس کے ہر وسوسہ و دغدغہ نفسانی کو وحی و الہام قرار دے سکتی ہو مگر مسلمان تو صرف اس چیز کو سچائی سمجھتا ہے جو عقل و فطرت کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہے اور جس کا سب سے اعلیٰ مظہر قرآن ہے۔ پس مسلمانوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ گاندھی جی کی سچائی کو اپنا فلسفہ بنالیں گے ان سے یہ توقع کرنا ہے کہ وہ کبھی اتنے احمق ہو جائیں گے کہ گائے کو پوجنے لگیں گے۔

یا ہمارا فلسفہ نہیں بلکہ سرتا سر وسوسہ نفس ہے اور کوئی کودن ہی انسان ہوگا جو اس کو فلسفہ کے باوقعت نام سے پکارنے کی کوشش کرے۔ گاندھی جی نے اپنی سیاسی تحریک کو ہندوستان میں چلانے کیلئے دہشت انگیزوں (Terrorists) کی راہ نہیں اختیار کی، عدم تشدد کی راہ اختیار کی۔ اور ہم اس بات کی تعریف کرتے ہیں کہ انھوں نے صحیح راہ اختیار کی، مگر یہ ایک سیاسی تدبیر ہے، کوئی فلسفہ نہیں ہے جو ایمان و عقیدہ کی جگہ حاصل کرلے۔ اپنے وقت پر یہ چیز آپ سے آپ مٹ جائے گی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج سات صوبوں کے اندر گاندھی جی کے جو حواریین حکومت کرتے ہیں وہ سب ان کے اس فلسفہ کو کچل رہے ہیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان میں سے جو گاندھی جی سے جتنا ہی قریب ہے وہ اسکے کچلنے میں اتنا ہی

بیباک اور شاطر ہے۔ پھر اس فضول سی بات کو بار بار دہرانا اور کمی کو گس گس کے تجنیس بنانا کونسی دانائی ہے؟ بہرحال گاندھی جی کے پاس کوئی فلسفہ ہے تو ہوا کرے۔ کانگریس کیا ہے؟ کانگریس کا شروع سے لیکر اسوقت تک کا تمام ریکارڈ ہمارے سامنے ہے اور ہم سے زیادہ کرپلانی جی کے سامنے ہوگا، وہ بتائیں کہ آج سے پہلے آپکے کانگریس کی کس قرارداد...... میں یہ طے کیا ہے کہ "کانگریس کی ہر اسکیم گاندھی جی کے فلسفہ کے ماتحت چلائی جائے گی"۔ اگر کوئی ایسی تجویز ہے تو اس کو پیش کیجئے اور اگر نہیں ہے تو یہ کیوں نہ کہا جائے کہ اس آسمان کے نیچے سب سے بڑی بدکاری وہ ہے جو وہائٹ پیپر، جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی، لنڈن راؤنڈ ٹیبل کانفرنس، اور برطانوی پارلیمنٹ کی مشترکہ سازش سے وجود میں آئی اور پھر اس سازش سے جو مولود فساد پیدا ہوا اس کے مربی اول گاندھی جی ہے تاکہ اس کے ذریعہ وہ اپنے مزعومہ فلسفہ کو مسلمانوں پر حکومت کے ظلم و تشدد کے ساتھ نافذ کرسکیں۔ اگر ہمارے اس دعویٰ کے لئے ثبوت کی ضرورت ہوگی تو ہم بے تکلف ۱۸۸۵ء سے لیکر ۱۹۳۹ء تک کا کانگریس کا ریکارڈ ایک طرف پیش کریں گے۔

اور کرپلانی جی کا یہ مضمون دوسری طرف کہ جس ادارہ کا کانسٹی ٹیوشن جمہوری، جس کا ہر اعلان جمہوری، جس کی ہر تجویز جمہوری، وہ دفعۃً زمام حکومت ہاتھ میں لے لینے کے بعد گاندھی جی کے فلسفہ کا مشن بنجاتا ہے اور سات اقلیموں کا مشترکہ "ہولناک عدم تشدد" جب اس کی حمایت کے لئے گرگس چلتا ہے تو ہم کو اس ادارے کا جنرل سکرٹری یہ تہدید آمیز فرمان واجب الاذعان سناتا ہے۔

"یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ کانگریس کی ہر اسکیم گاندھی جی کے فلسفہ کے ماتحت چلائی جائے گی"۔

کرپلانی جی کے اس مضمون کا ہر پڑھنے والا دو ہی راہیں اپنے سامنے کھلی ہوئی پائے گا۔ یا تو یہ کہ اس مضمون کی ہر سطر سرتا سر جھوٹ ہے یا یہ کہ کانگریس نے آج تک جتنے دعوے کئے، جتنے اعلانات چھاپے، جتنے ریزولیشن پاس کئے سب مکر و فریب تھے اور ہم نہیں جانتے کہ کرپلانی جی کو جھوٹا کہیں جو

سچائی کے پیغمبر کے اولین نقیب ہیں۔ یا کانگریس کو جھوٹ کہیں جو صداقت اور اہنسا کے دیوتا کا سب سے بڑا شاہکار ہے۔ اگر کانگریس گاندھی جی کے اعلیٰ اور روحانی فلسفہ کے ماتحت چلائی جائے گی اور اس کو ہمارے مذہب، تہذیب، تعلیم، عقیدہ، ہر چیز کو اس فلسفہ کے سانچہ پر ڈھالنے کا پورا حق ہے تو یہ تو وہی نازی ازم اور فیشزم ہوئی جو روما اور جرمنی میں ہے البتہ نام بدل جائے گا اس کو ہندو ازم کہیں گے۔ ہم مولانا ابو الکلام اور مولانا حسین احمد کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس مضمون کو ملاحظہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمائیں کہ اگر کانگریس یہی ہے تو دونوں برائیوں میں سے کون اشد ہے؟ انگریز یا کانگریس؟ اور "وطنی قومیت" کا نزع اور مجہول فلسفہ اتنی کھلی ہوئی ڈکٹیٹری اور ایسی علانیہ خدائی کے ساتھ اگر خودکشی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

اس مضمون کی روح اگر اچاریہ کرپلانی جی کے اندر گاندھی جی کے اندر سے آئی ہے اور... ہندو لیڈروں کی عام ذہنیت یہی ہے تو ہندوستان کا دو حصوں میں تقسیم ہونا قطعی اور لازمی ہے۔ اور اسکی ذمہ داری ان ہندو لیڈروں کے سر ہوگی جن کو اکثریت کے گھمنڈ، انگریزوں کی تائید کے اعتماد اور مسلمانوں کے انتشار نے بالکل مخبوط کر دیا ہے۔ بے شبہ مسلمان آج منتشر ہیں لیکن کرپلانی جی کے طرح کے مضامین ان کو مجتمع بھی کر دیں گے اور اسوقت کرپلانی جی دیکھیں گے کہ مسلمان اپنے اوپر گاندھی جی کے فلسفہ کو مسلط ہونے سے کس طرح روک دیتے ہیں اور ان میں اپنے مذہب و تہذیب کی حفاظت کے لئے متحدہ ہو کر مرنے اور مٹنے کا کتنا جذبہ ہے!!

معارف قرآن

تفسیر سورہ ذاریات

(۳)

تالیف استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ

ترجمہ امین احسن اصلاحی

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ (۲۰) وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (۲۱)
وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (۲۲) فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
إِنَّهُ لَحَقٌّ مِثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ (۲۳)

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کیلئے (۲۰) اور خود تمہارے اندر بھی، کیا تم دیکھتے نہیں؟ (۲۱)
اور آسمان میں تمہاری روزی ہے اور وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (۲۲) پس آسمان اور
زمین کے پروردگار کی قسم یہ بات حق ہے جس طرح کہ تم بولتے ہو (۲۳)

الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی تاویل

(از آیت ۲۰ - ۲۳)

وَفِي الْأَرْضِ شروع کی قسموں سے جو بات مفہوم ہوتی ہے یہ جملہ اسی پر معطوف ہے۔ گویا کلام کا پورا سلسلہ یوں ہے کہ ہواؤں کی گردش اور بادلوں کے عجائب تصرفات میں معاد کی دلیلیں پنہاں ہیں اور اسی طرح زمین میں اور خود تمہارے اندر بھی معاد کی نشانیاں ہیں۔ اور "للموقنین" (یقین کرنیوالوں کے لئے) بالکل اسی طرح کی بات ہے جیسا کہ بقرہ کے شروع میں فرمایا ہے "ھدی للمتقین" (ہدایت بچکر ڈرنے والوں کے لئے) اور اس طرح کی آیتیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ مثلاً ق میں ہے اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ (اس میں یاد دہانی ہے اس شخص کے لئے جس کے پاس دل ہو یا جو کان لگائے متوجہ ہو کر) یا فرمایا تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ۔ ایک مقام پر ہے اٰیۃً لمن خاف عذاب الاٰخرۃ۔ دوسری جگہ ہے اٰیات لقوم یعقلون۔ ان سب کا مطلب یہی ہے کہ یہ ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں۔ عام محاورہ میں کہتے ہیں اسفر الصبح لذی عینین آنکھیں رکھنے والوں کے لئے صبح طلوع ہوگئی۔

اس طرح کے اسلوب کلام کے دو فائدے بالکل واضح ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ قدرت کے دلائل میں کوئی جبر واکراہ یا نقص نہیں ہے۔ جو شخص ان سے فائدہ اٹھانا چاہے اس کے لئے ان سے فائدہ اٹھانے کی راہ کھلی ہوئی ہے۔ اگر منکر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ دلائل کے ظہور میں کوئی نقص ہے بلکہ اس کا باعث خود ان کی

طبیعت کا بگاڑ ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ اس سے ان ضروری شرائط کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے جو ان نشانیوں سے فائدہ اٹھانے کیلئے ناگزیر ہیں اور مناسب ہوگا کہ اس بحث کو ذرا ہم کھول دیں۔

"موقنین" کی قید سے معلوم ہوا کہ..... آیات الٰہی سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو ان سے استدلال کریں اور استدلال کے لئے دو باتوں پر یقین کرنا ضروری ہے۔ ایک ان مقدمات مسلمہ اور اولیات پر جن پر دلیل مبنی ہوتی ہے۔ دوسرے اس لازمی نتیجہ پر جو ان سے پیدا ہوتا ہے۔ پس یقین نہ کرنے والا شخص دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو سوفسطائی ہے جو سرے سے اصول اولیہ ہی کا منکر ہے۔ تا بہ دلیل چہ رسد! یا ایک جامد مقلد ہے جو اصول اولیہ کا تو منکر نہیں ہے لیکن ان کے ترتیب و استعمال سے جو لازمی نتائج پیدا ہوتے ہیں ان سے کانوں پر ہاتھ دھرتا ہے۔ اور ان لوگوں کا یہی تناقض ہے جس پر قرآن نے جگہ جگہ فانی تؤفکون اور فانی تسحرون وغیرہ کے الفاظ فرمائے ہیں۔

پس یہاں قرآن نے "موقنین" کی قید لگا کر اس اولین شرط کی طرف اشارہ کر دیا جس کے بغیر کوئی انسان استدلال کی راہ سے علم نہیں حاصل کر سکتا اور جو شخص اس چیز سے خالی ہو وہ درحقیقت انسانوں میں شمار ہونے کے لائق نہیں ہے۔ اس کی اصلی جگہ بہائم کے کسی گلہ میں ہے۔ وہ اس قابل نہیں رہا کہ کسی امر میں مخاطب کیا جائے۔

اس کے بعد قرآن نے اس چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو یقین کی اصل ہے اور اسکی تفصیل عنقریب تمہارے سامنے آئے گی۔

یہ بات بھی یہاں خیال میں رکھنے کی ہے کہ "موقنین" کا مفعول بہ ذکر نہیں فرمایا یعنی یہ نہیں بتایا کہ کس چیز پر یقین رکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مقصود اس کو عام رکھنا تھا کہ وہ تمام چیزیں

اس کے تحت میں اُن باتوں پر یقین رکھنا چاہئے۔ ان چیزوں میں اصل واساس کی جگہ توحید کو حاصل ہے پھر معاد اور رسالت کو۔ اور ایقان سے مراد محض اس عالم مشہود اور اس کے ظواہر کا ایقان نہیں ہے۔ اس میں تو مومن و کافر بلکہ انسان اور بہائم سب مشترک ہیں۔ بلکہ وہ ایقان مراد ہے جو آیات کے استدلال سے پیدا ہوتا ہے اور یہی کمال رسوخ شخص ہے۔ "اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" کی تفسیر میں ہم اس کو وضاحت سے بیان کرچکے ہیں۔

اس تعمیم کے باوجود موقع کلام کا اقتضاء اشارہ کر رہا ہے کہ یہاں اولین نظر ایقان بالمعاد پر ہے اور کہیں کہیں اس کی تصریح بھی ہوگئی ہے مثلاً "وَبِالْاٰخِرَۃِ ہُمْ یُوْقِنُوْنَ"۔ اور وہ لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

"اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" (کیا تم دیکھتے نہیں) یہ استفہام نفرت وتعجب کے اظہار کے لئے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس کے اندر کی نشانیاں انسان کے لئے سب سے زیادہ نمایاں، سب سے زیادہ قریب تر اور سب سے زیادہ واضح ہیں۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ ...... وَمَا تُوْعَدُوْنَ اس میں توحید، ربوبیت اور حکمت کی وہ تمام نشانیاں سمٹ آئی ہیں جو شمار نہیں کی جا سکتی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْہَا وَہُمْ عَنْہَا مُعْرِضُوْنَ۔ اور آسمان وزمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے وہ گزرتے ہیں اور ان سے منہ پھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔ قرآن میں یہ آیتیں اجمالاً اور تفصیلاً مختلف مقامات میں بار بار بیان ہوئی ہیں اس لئے یہاں ان کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض کا ذکر اس سورہ میں بھی ہوا ہے جن کی توضیح اپنے محل میں آئے گی۔ البتہ سیاق کلام اور موقع ومحل اشارہ کر رہا ہے کہ یہاں وہ دلیلیں مراد ہیں جو معاد کو ثابت کرتی ہیں لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ربوبیت اور حکمت ورحمت کی تمام نشانیاں معاد پر یکساں دلیل ہیں اور اس نکتہ کو اس کے محل میں ہم بیان کرچکے ہیں۔

یہاں بلاغت ایجاز کا ایک خاص اسلوب بھی قابل لحاظ ہے۔ یعنی ایک قرین کے ساتھ جو بات ظاہر کی گئی ہے دوسرے میں اس کو حذف کر دیا گیا ہے۔ زمین کے متعلق فرمایا کہ اس میں نشانیاں ہیں مگر آسمان کی نشانیوں کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ علیٰ ہذا القیاس آسمان میں رزق اور شے موعود کا ذکر فرمایا مگر زمین کے ذکر میں اسکو حذف کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکور، محذوف پر خود دلیل تھا۔ اور بے ضرورت اطناب بلاغت عرب کے خلاف ہے۔ البتہ دوسرے مقامات میں آسمان کی نشانیوں اور زمین کے رزق کا ذکر تصریح کے ساتھ ہوا ہے جو اس موقع پر رہنمائی کے لئے کافی تھا۔ اسی طرح زمین میں شے موعود کا ہونا بھی بعض آیات سے نکلتا ہے۔ مثلاً "ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا آسمان وزمین دونوں اس موعود کے حمل سے بوجھل ہیں اور اس کے وجود میں آجانے کے لئے صرف اشارہ غیب کا انتظار ہے۔

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اس قسم میں معاد کی دلیل پنہاں ہے۔ اور یہ بات آسمان وزمین کی ان نشانیوں سے ظاہر ہے جو اوپر گزر چکی ہیں پھر آسمان وزمین کے رب کو شہادت میں پیش کیا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو تعقیب کی "ف" نہ آتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جملہ ماسبق سے نہایت متصل ہے۔ پھر "رب" کے لفظ کے اندر ایک اصولی استدلال موجود ہے وہ یہ کہ آسمان وزمین اور نفس کی ہر نشانی ربوبیت کی نشانیوں میں سے ہے اور معاد کے تمام دلائل اسی پر مبنی ہیں۔ یہاں ہم اس اجمالی اشارہ پر بس کرتے ہیں۔ دوسری فصل میں اس کی کسی قدر تفصیل آئے گی۔

اِنَّہٗ لَحَقٌّ مقسم علیہ یہاں وہی ہے جو سورت کے شروع میں گزر چکا ہے۔ یعنی "اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ" اور "مَا تُوْعَدُوْنَ" کا ذکر بھی اوپر گزر چکا ہے۔ اس لئے ضمیر کافی ہوئی۔ گویا پوری بات یوں ہے کہ آسمان وزمین کے پروردگار کی قسم تمہارا اٹھایا جانا اور جزا پانا حق ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

مِثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ "مِثْلَ" چونکہ اِنَّہٗ والی ضمیر سے حال پڑا ہوا ہے اس لئے حالت نصب میں ہے۔ اور عامل اس میں، نحویوں کی اصطلاح کے مطابق، شبہ فعل یعنی "لحق" ہے۔ جیسے زید حسن ضاحکا۔ مطلب یہ ہوا کہ بعث، رجوع الی اللہ اور جزاء کا جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے، وہ ایک امر واقعی ہے، اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے، اور اس کا حال تمہارے نطق سے مشابہ ہے۔ جہاں تک نفس تاویل کا تعلق ہے، سلف اس میں بالکل متفق ہیں لیکن اس کے محل کے بارہ میں اختلاف ہے۔ جو لوگ اس کو حالت نصب میں مانتے ہیں ان میں سے ایک جماعت اس کو رفع کے محل میں مانتی ہے۔ لیکن چونکہ اس کی اضافت غیر متمکن کی طرف ہے اس لئے حالت نصب میں ہے۔ مثلاً یَوْمَئِذٍ اور حمزہ، کسائی اور ابوبکر نے اس کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور مآل سب ایک ہے، معنی کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوگا۔ رہا اس تمثیل کا موقع استدلال تو اس کی تفصیل انشاء اللہ نویں فصل میں ملے گی۔

۸۔ آیات سابقہ سے جزاء پر استدلال

آسمان، زمین اور نفس کے اندر جس قدر دلائل اور شواہد موجود ہیں ان چار آیتوں نے ان سب کو اپنے اندر جمع کر لیا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آسمان و زمین اور نفس کے اندر اور پھر آسمان و زمین کے مابین، عجائب قدرت و خلقت کی جو عظیم الشان نشانیاں موجود ہیں اور ان کو دست غیب نے جس طرح ایک دوسرے کے لئے سازگار اور باہم دگر ہم آہنگ و مربوط بنایا ہے، ان میں توحید اور پروردگاری کی نہایت کھلی ہوئی دلیلیں موجود ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جس پروردگار نے ان کو بنایا ہے وہ بادشاہت، قدرت، علم، حکمت اور عدل و رحمت کی تمام اچھی صفتوں سے کمال درجہ متصف ہے اور پھر اس سے لازماً یہ بھی نکلتا ہے کہ وہ جزا اور سزا

دینے والا بھی ہے۔ گویا استدلال کا پہلا درجہ یہ ہے کہ ہم خدا کی ان صفتوں تک پہنچتے ہیں جو توحید پر دلیل ہیں۔ پھر اس سے جزا پر استدلال کرتے ہیں۔ اس کو قرآن نے مختلف مقامات میں بیان کیا ہے اور ہم نے کتاب النجم میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔

پس ان آیات میں پہلے عمومی طور پر خدا کی پروردگاری کے آثار رحمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے پھر خاص طور پر جزا کے دلائل پر تنبیہ کیا۔ چنانچہ فرمایا۔

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ — اور آسمان میں تمہاری روزی ہے اور وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

یعنی پروردگار، جو تم کو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے؟ اس نے تم کو بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ اور وہ تم کو یوں ہی شتر بے مہار کی طرح نہیں چھوڑ دے گا۔ چنانچہ ایک دوسرے مقام میں فرمایا ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا — کیا تم نے خیال کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بے مقصد بنایا ہے
وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ — اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

پھر اس کو بعد کے قول سے واضح کر دیا فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (پس آسمان اور زمین کے رب کی قسم یہ بات حق ہے جس طرح کہ تم بولتے ہو) یعنی جزاء پر اس بات سے دلیل پیش کی کہ وہ آسمان زمین کا پروردگار ہے اور یہ آسمان و زمین اپنے آغوش میں بے شمار ایسی آفاقی و انفسی دلیلیں رکھتے ہیں جو ربوبیت اور جزاء کو ثابت کرتی ہیں۔ اسی بات کو قرآن نے دوسری جگہ نہایت واضح لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ — ہم دکھائیں گے ان کو اپنی نشانیاں اطراف میں اور
اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ — خود ان کے اندر یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہی
الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ — حق ہے (یعنی معاد جیسا کہ بعد میں بیان فرمایا ہے) کیا یہ بات
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۔ اَلَآ اِنَّهُمْ — کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز پر گواہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ)

فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۔ (حٰم السجدہ)

کہ ہر چیز پر گواہ ہو۔ خبردار ہو کہ یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کے بارہ میں شبہ میں ہیں۔ آگاہ، وہ ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم و قدرت، ملک و تدبیر اور حکمت و رحمت سے تمام عالم کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور یہ بات جزا کو مستلزم ہے۔

یہاں ہم نے استدلال کے پہلو کی طرف بالاجمال اشارہ کر دیا ہے۔ یہ دلائل قرآن میں اپنے اپنے محل میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ پس یہاں ان سے تعرض مناسب نہیں۔ البتہ جہاں تک معاد پر استدلال کا تعلق ہے موقع کے تقاضہ سے ہم بحث کے بعض گوشے روشن کر دینا چاہتے ہیں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

(باقی)

تفسیر سورۂ کافرون

(اردو)

اس میں محبت اور برأت کا اصلی فلسفہ بیان کیا گیا ہے، اور نبوت کے مراحل و مقامات کی توضیح اس قدر حکیمانہ انداز میں کی گئی ہے کہ قرآن مجید کی بے شمار مشکلات آپ سے آپ حل ہو گئی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین، کاغذ عمدہ قیمت:۔ چار آنے ۴ر

"منیجر"

اقسام القرآن

۴

۹- مقسم بہٗ یا مخاطب یا متکلم کی تعظیم کے پہلو

سچائی عرب کی فطرت کا اصلی جوہر تھی۔ بالخصوص جب وہ کوئی معاہدہ کرتے، کسی بات کے لئے زبان دیدیتے، کسی معاملہ میں قسم کھا بیٹھتے تو پھر اس سے ٹلنا ان کے لئے ناممکن تھا۔ وہ کسی کے حلیف ہوتے یا کسی سے رشتۂ جوار قائم کرتے، یا کوئی نذر مانتے تو اپنی ذمہ داری جس طرح ممکن ہوتا پوری کرتے۔ قسم کھانے کے بعد اس سے مکرنا اور پیچھے قدم ہٹانا وہ اپنی غیرت و حمیت کی انتہائی توہین سمجھتے تھے۔ معاہدہ کے وقت وہ جو ہاتھ میں ہاتھ دیتے تھے تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اس عہد کی حرمت کے لئے وہ اپنی جان کے لئے ہر جوکھم برداشت کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جان کو خطرہ میں ڈالنا قسم کا ایک لازمی مفہوم ہو گیا ہے۔ ہم چھٹی فصل میں اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ عرب میں سب سے زیادہ عام قسم "لعمری" (میری جان کی قسم) ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ میں اپنی بات کے لئے اپنی زندگی خطرہ میں ڈالدوں گا۔ بعض شاعروں نے قسم کی یہ حقیقت صاف لفظوں میں واضح کر دی ہے۔ ریطہ بنت عباس کا شعر ہے:۔

لعمری وما عمری علی بھین ۔۔۔ لنعم الفتی اردیتم آل خثعما

میری جان کی قسم اور میری جان کوئی معمولی چیز نہیں، اے آل خثعم تم نے بہترین نوجوان کو ہلاک کیا۔

نابغہ ذبیانی کہتا ہے:-

لعمری وما عمری علی بھین لقد نطقت بطلا علی الاقارع

میری جان کی قسم اور میری جان کوئی معمولی چیز نہیں ہے کہ بنی قریع بن عوف نے میرے بارہ میں بے اصل باتیں کہیں۔

اس کے شواہد بہت ہیں

یہیں سے قسم کی اس نوع میں مقسم بہ کے احترام کا پہلو بھی پیدا ہوگیا۔ کیونکہ کوئی شخص اس طرح اپنی بات کو موکد اسی حالت میں کرسکتا ہے جب وہ ایسی چیز کی قسم کھائے جو اس کی نظروں میں محترم و عزیز ہو۔ اس نوع کی اقسام کی اصل یہی ہے۔ پھر یہیں سے "لعمرک" (تیری جان کی قسم) وغیرہ اسالیب قسم پیدا ہوگئے جن میں مخاطب کے احترام کا پہلو ہے۔ اس طرح کی قسموں میں متکلم کا منشا گویا یہ ہوتا ہے کہ میں اپنی جان کی نہیں بلکہ تیری جان کی قسم کھاتا ہوں جو میری نظروں میں سب سے زیادہ عزیز و محترم ہے۔ چونکہ عام گفتگو کے لئے یہ اسلوب نہایت دل پسند اور موزوں تھا اس لئے کثرت سے چل گیا اور لعمرک، لعمرو بیک، وجدک، اور بزعمک وغیرہ بہت سے اسلوب رائج ہوگئے۔

یہ الفاظ عام طور پر گفتگو میں رائج ہیں اس لئے ان کی سندیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ ان میں چند باتیں قابل لحاظ ہیں جن کی طرف ہم یہاں اشارہ کردینا چاہتے ہیں۔

۱- پہلی یہ کہ ان اقسام میں مقسم بہ اگرچہ محترم اور عزیز ہوتا ہے لیکن معبود اور مقدس نہیں ہوتا جیسا کہ آگے والی فصل میں ہم دینی اقسام کے بیان میں دیکھیں گے۔

۲- دوسری یہ کہ جب مقسم بہ مخاطب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مقصود مخاطب کے عزت و احترام کا اظہار ہوتا ہے۔

مثلاً فرمایا ہے۔

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ تیری جان کی قسم وہ اپنی مدہوشی میں اندھے ہو رہے ہیں۔

اس خطاب سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کی عزت بڑھائی ہے۔ اسی اسلوب کی دوسری آیت ہے:- فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ الآیۃ۔ پس نہیں، تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہیں تاآنکہ وہ تجھے حکم نہ مانیں الخ

اور جب مقسم بہ کی اضافت متکلم کی طرف ہوتی ہے تو اس سے خود اس کی عزت و عظمت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ گویا وہ کہتا ہے کہ میری عزت و حرمت ایسی بالاتر ہے کہ اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کی جاسکتی۔

یہی پہلو ہے کہ جس کی وجہ سے اس طرح کی قسم خاکسار اور متواضع بندوں کے لئے موزوں نہیں ہے۔ اور شاید حضرت مسیح علیہ السلام نے جو قسم کی مطلق ممانعت فرمائی تو اس سے یہی قسم مراد ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ "اپنے سر کی قسم مت کھا کیونکہ تو ایک بال کو بھی سفید یا سیاہ کرنے پر قادر نہیں ہے"۔ چونکہ بعض قسموں میں بد عہدی پر وبال کی بد دعا بھی ہوتی ہے، جیسا کہ پچھلی فصل میں بیان ہوچکا ہے اس لئے بعض اوقات وہ مفہوم بھی اس طرح کی قسموں میں شامل ہوجاتا ہے۔ گویا قسم کھانے والا یوں کہتا ہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو میری عمر برباد اور میری عزت تباہ ہوجائے۔

لیکن اس ساری تفصیل سے تم پر یہ حقیقت واضح ہوچکی ہوگی کہ اس قسم کے لئے ضروری شرط یہ ہے کہ مقسم بہ، مخاطب یا متکلم کی طرف مضاف ہو، نیز اس کے لئے مخصوص الفاظ ہیں جو اوپر بیان ہوئے اور اس میں قسم اسی چیز کی کھائی جاتی ہے جس کا احترام اور جس کی عزت متکلم کی نظروں میں مسلم ہو۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن کی وہ قسمیں جن میں مقسم بہ ذاریات، عادیات، خنس، اور جوار الکنس وغیرہ کے قبیل کی چیزیں ہیں، اس نوع سے بالکل الگ ہیں۔

پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ یہ قسمیں عرب کی پختہ قسموں میں سے نہیں ہیں عام طور پر ان کا استعمال محض تاکید کے لئے ہوتا ہے اور ان کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو "اقسمت" وغیرہ کی ہے یہی وجہ

کر کبھی کبھی لعمر اللہ بھی کہہ دیتے ہیں۔ پس عام طور پر جب یہ قسمیں کھاتے ہیں تو اس کا پورا مفہوم نہیں مراد لیتے۔ پورا مفہوم جب مراد لیتے ہیں تو اس کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ ہم ربیعہ، علیہ اور نابغہ کے شعروں میں دیکھ چکے ہیں۔

ان کے علاوہ ایمان غلیظہ کی قسم ہے جس کا بیان اگلی فصل میں آئے گا۔

قسم مقسم بہ کی تقدیس کے پہلو سے

۱۰۔ ہم پچھلی فصل میں بیان کر چکے ہیں کہ بعض مرتبہ تمدنی ضروریات اور بعض دوسرے حالات مجبور کرتے ہیں کہ آدمی اپنی بات کو تاکید و توثیق کے ساتھ پیش کرے۔ یہی ضروریات و حالات کبھی کبھی اس بات کے داعی ہوتے ہیں کہ یہ تاکید میں پوری شدت اور یہ توثیق میں کامل استحکام ہو۔ اس کے لئے یہ طریقہ تھا کہ بالعموم معاہدوں اور قسموں کی تکمیل عبادت گاہوں کے سامنے ہوتی تھی۔ اور اس طرح قسم میں مذہبی تقدس کا رنگ پیدا ہوا۔ اس طرح کے قسموں اور معاہدوں پر گویا اللہ تعالیٰ کی گواہی ثبت ہوتی تھی۔ اور ان کے نقض میں اس کی خفگی کا اندیشہ تھا۔

شروع شروع میں علیحدہ علیحدہ قوموں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں۔ قدرتی حدود ——— سمندروں اور پہاڑوں نے قوموں کو الگ الگ نہیں کیا تھا۔ جس سے پڑوسی قوموں کا آپس میں ٹکرانا ہر وقت متصور تھا، ایسی حالت میں ایک دوسرے کی تعدی سے بچاؤ کے لئے معاہدہ ہی پناہ تھا۔ بعض اوقات مختلف النسل قومیں بھی کسی مشترک دشمن کے خلاف دفاع و تعاون کے لئے معاہدے کرتی تھیں۔ غرض صلح ہو یا جنگ ہر اہم معاملہ میں اصلی سپر معاہدہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنی قوم کو چھوڑ کر عرب میں آ کے آباد ہوئے اور ابو ملک نے ان کو طاقتور اور صاحب جمعیت پایا فوراً ایک خاص رسم کے مطابق ان سے معاہدہ کر لیا تاکہ آپس میں کوئی جنگ برپا ہو اور اس معاہدہ

کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ اور ابو ملک باہم گرحلیف بن گئے۔

الغرض معاہدہ کی تمدنی عظمت و اہمیت پر تاریخ شاہد ہے۔ آج بھی متمدن اقوام میں اس کی ضرورت اور اہمیت مسلم ہے، پھر قدیم قوموں میں اس کی اہمیت کا کیا پوچھنا ہے جن کی زندگی کا خمیر غیرت و انفت اور تعدی و دست درازی جیسے عناصر سے مرکب تھا۔ اور آج بھی دنیا کا حال کل سے بہتر نہیں ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ آج اور زیادہ برا ہے۔ آج ظلم و تعدی کے ساتھ جھوٹ اور فریب کی بھی آمیزش ہو گئی ہے۔ اور معاہدہ کا اعتماد بالکل اٹھ گیا ہے تاہم قومیں اپنی تمدنی ضروریات سے مجبور ہو کر انہی تنکوں کا سہارا ڈھونڈھتی ہیں اور ججوں اور حکام کے سامنے اللہ تعالیٰ اور اس کے شعائر کی قسمیں کھائی جاتی ہیں۔ پس جب آج باہمہ بے اعتمادی و فریب معاہدہ کی اہمیت اور ضرورت مسلم ہے تو وہ قدیم قومیں اس پر اعتماد کرنے کی زیادہ حقدار تھیں جو سچائی کو تمام اخلاق کی روح سمجھتی تھیں چنانچہ ان کی تمام معاشرتی و اجتماعی زندگی کی بنیاد اسی پر تھی۔ ان کو جب کوئی اہم ضرورت پیش آتی، اپنے معبدوں اور تھانوں کے پاس اکٹھی ہوتیں اور اپنے معبودوں کے سامنے معاہدے کرتیں۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کا حال بھی یہی تھا۔ وہ جس طرح لڑنے جھگڑنے میں طاق تھے اسی طرح پاس ذمہ اور وفائے عہد میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ خانہ کعبہ ان کا سب سے بڑا معبد تھا اور اس کا احترام صلح و امن کا سب سے بڑا منادی۔ یہ اسی کا احترام تھا کہ حج کے مہینوں میں جنگ کے تمام فتنے سرد پڑ جاتے تھے اور جو عرب اپنی عام زندگی میں شیروں کی طرح خوفناک اور بھیڑیوں کی طرح خونخوار تھے وہ ان مہینوں کے آتے ہی بھیڑوں سے زیادہ حلیم و بردبار بن جاتے اور راہبوں کے لباس پہن کر اور امن و عدل کی تمام خوبیوں سے سنور کر اس گھر کے گرد اکٹھے ہوتے اور اس جگہ پہنچ کر دشمن اپنے دشمن سے اور حریف اپنے مقابل سے بغیر کسی خوف و اندیشہ کے مل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مکہ کو "صلاح" اور "ام الرحم" بھی کہتے تھے۔ اور جب ان کو کوئی معاہدہ کرنا ہوتا تو وہ اسی

معبد کے پاس آتے اور خدا کے سامنے اپنے معاہدے مرتب کرتے۔

معاہدوں کی اصلی شکل یہی تھی لیکن پھر شرک کی آلودگی کی وجہ سے کبھی یوں بھی ہوتا کہ کسی تھان کے پاس اکٹھے ہو کر معاہدہ کرتے۔ کیونکہ ان تھانوں پر جن کی خوشنودی کے لئے وہ قربانی کرتے تھے، ان کو خدا کا شریک اور اس کے دربار میں اپنے لئے سفارشی سمجھتے تھے۔

اور اس رسم کا طریقہ یہ تھا کہ یا تو قربانی کر کے اس کا خون چھڑکتے۔ یا خانہ کعبہ کو چھوتے، جیسا کہ ان کے اشعار میں اس کا ذکر آئے گا۔ یا پھر یہ کرتے کہ کسی خوشبو میں اپنے ہاتھ سب ڈالتے اور پھر ان سے خانہ کعبہ کو چھوتے۔ اس کی مثال ہم کو بعثت سے کچھ پہلے بنی عبد مناف کے حلف میں ملتی ہے۔ انھوں نے آپس میں معاہدۂ اتحاد کرنا چاہا تو خانۂ کعبہ کے پاس اکٹھے ہو کر ایک لگن میں خوشبو ڈالی، پھر تمام حلیفوں نے اسمیں اپنے ہاتھ ڈبوئے۔ اور پھر ان سے خانہ کعبہ کو چھوا۔ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ بھی اس میں شریک تھے۔ اسی خوشبو کی وجہ سے یہ لوگ "مطیبین" سے مشہور ہوئے۔

بعض حالتوں میں یہ رسوم ادا نہیں کئے جاتے تھے۔ صرف فریقین خانہ کعبہ کے پاس جمع ہو جاتے اور اس کے سامنے قسمیں کھا لیتے۔

یہ دینی قسموں کی اصل ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اس میں وسعت ہوئی اور مجرد ذکر کعبہ و شعائر حج نے ایک دینی قسم کی حیثیت حاصل کر لی جیسا کہ ان مثالوں میں تم دیکھو گے

زہیر بن ابی سلمٰی کہتا ہے

فاقسمت بالبیت الذی طاف حوله   رجال بنوہ من قریش وجرہم

پھر اس گھر کی قسم کھاتا ہوں جس کے گرد قریش و جرہم میں سے وہ لوگ پھرتے ہیں جنھوں نے اس کو بنایا۔

ایضاً

فتجمع ایمن منا ومنکم   بمقسمة تمور بها الدماء

پس ہمارے اور تمہارے ہاتھ ایک ایسی قسم کی جگہ (بیت اللہ) اکٹھے ہوں گے جہاں قربانیوں کا خون بہتا ہوگا۔

اعشیٰ قیس کا شعر ہے:۔

فانی وثوبی راهب اللج والتی   بناها قصی وحده وابن جرهم

راہب حج کی دو چادروں اور اس گھر کی قسم جس کو تنہا قصی اور بن جرہم نے بنایا کہ میں ....

ایضاً

حلفت له بالراقصات الی منی   اذا مجرم خلفته بعد مجرم

میں نے اس کیلئے ان اونٹنیوں کی قسم کھائی جو رقص کرتی ہوئی منیٰ کی طرف جاتی ہیں جبکہ حاجیوں کا ریل پیل ہوتی ہے۔

حارث بن عباد کہتا ہے:۔

کلا ورب الراقصات الی منی   کلا ورب الحل والاحرام

ہرگز نہیں ان اونٹنیوں کی قسم جو رقص کرتی ہوئی منیٰ کی طرف جاتی ہیں، ہرگز نہیں حل و احرام کے رب کی قسم۔

نابغہ ذبیانی کا شعر ہے

فلا لعمر الذی مسحت کعبته   وما هریق علی الانصاب من جسد

پس نہیں اس ذات کی قسم جس کے کعبہ کا میں نے طواف کیا، اور اس خون کی قسم جو تھانوں پر بہایا گیا۔

والمؤمن العائذات الطیر یمسحها   رکبان مکة بین الغیل والسعد

اور اس ذات کی قسم جو چڑیوں کو پناہ دیتی ہے جن پر غیل و سعد کے درمیان مکہ کے قافلے گزرتے ہیں لیکن ان کو چھیڑتے نہیں۔

ما قلت من سیئ مما اتیت به   اذا فلا رفعت سوطی الی یدی

کہ میرے متعلق جو بات تم کو پہنچائی گئی ہے وہ میں نے نہیں کہی ہو اور اگر میں نے وہ بات کہی ہو تو میرے ہاتھ شل ہو جائیں۔

اذا فعاقبنی ربی معاقبة   قرت بها عین من یاتیك بالفند

اور میرا رب مجھکو ایسی سزا دے کہ جس سے میرے حاسد کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

شاس، علقمہ الفحل کا بھائی کہتا ہے

حلفت بما ضم الحجاج منی ... وما ثج من نحر الهدی المقلد

مجھے قسم جس نے حاجیوں کو منیٰ کی طرف جمع کیا اور اس خون کی قسم جو قربانی کے جانوروں سے بہایا گیا۔

غنیہ اعرابیہ اپنے بیٹے کی تعریف کرتی ہے۔

احلف بالمروۃ یوما والصفا ... انک خیر من تفاریق العصا

میں کبھی مروہ کی قسم کھاتی ہوں کبھی صفا کی کہ تو لاٹھی کے ٹکڑوں سے زیادہ نفع بخش ہے۔

تھانوں کی قسم ان شعروں میں ملے گی۔

مہلہل کا شعر ہے:-

کلا وانصاب لنا عادیۃ ... معبودۃ قد قطعت تقطیعا

ہرگز نہیں، پرانے اور معبود انصاب کی قسم، جو خوب خوب تراشے گئے ہیں۔

زفر کہتا ہے:-

فاقسمت عند النصب انی لهالک ... بملتفۃ لیست بغبط ولا خفض

متلمس کا شعر ہے:-

اطردتنی حذر الهجاء ولا ... واللات والانصاب لا تئل

تو نے مجھے دور کیا ہجو کے اندیشے سے لیکن انصاب و تھانوں کی قسم تو اس سے نجات نہیں پا سکتا۔

رشید بن رمیض العنزی کہتا ہے:-

حلفت بمائرات حول عوض ... وانصاب ترکن لدی السعیر

میں نے ان خونوں کی قسم کھائی جو عوض اور ان تھانوں کے پاس بہائے گئے جو سعیر کے پاس ہیں۔

انصاب کی قسمیں کم ہیں۔ زیادہ تر قسمیں کعبہ اور شعائر حج کی ہیں۔ عرب جاہلیت ہر طرح

کے خلاف عقائد کے باوجود بیت اللہ کی تعظیم میں بالکل متفق تھے۔ وہ جانتے تھے کہ خدا کا اولین گھر جو لوگوں کے لئے تعمیر ہوا یہی ہے۔ یہاں تک کہ عرب کے نصرانی بھی اس کی قسم کھاتے تھے۔ عدی بن زید جاہلیت میں نصرانی ہو چکا تھا، تاہم کہتا ہے:-

سعی الاعداء لا یالون شرا ... علیک ورب مکۃ والصلیب

اعداء سرگرم سازش ہیں اور تمہارے لئے کوئی شرارت اٹھا نہ رکھیں گے۔ مکہ کے رب اور صلیب کی قسم۔

خطل اپنی نصرانیت کے پرفخر اعلانات کے باوجود کہتا ہے۔

حلفت بمن تساق له الهدایا ... ومن حلت بکعبته النذور

میں نے اس ذات کی قسم کھائی جس کیلئے ہدیے بھیجے جاتے ہیں اور جس کے کعبہ پر نذریں حلال ہوتی ہیں۔

ایضاً

لقد حلفت بما اسری الحجیج له ... والناذرین ودماء البدن فی الحرم

میں نے اس کی قسم کھائی جس کیلئے حجاج سفر کرتے ہیں اور نذر کرنے والوں کی جو قربانیوں کا خون حرم میں نذر کرتے ہیں۔

اسی کے شعر ہیں:-

انی حلفت برب الراقصات وما ... اضحی بمکۃ من حجب واستار

میں نے اونٹنیوں کے رب کی قسم کھائی جو رقص کی طرح جاتی ہیں اور مکہ کے پردوں اور غلافوں کی

وبالهدی اذا احمرت مذارعها ... فی یوم نسک وتشریق وتنحار

اور ہدی کے جانوروں کی جبکہ ....

اس سے تمہیں معلوم ہوگا کہ اہل عرب جب کسی قسم کو موکد اور پرزور کرنا چاہتے تھے تو کعبہ اور شعائر حج کی قسم کھاتے تھے اور اس بات کو انھوں نے اپنے اشعار میں جابجا ظاہر بھی کر دیا ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے اسلام لانے سے قبل کہا ہے۔

انی ورب المخیسات وما   یقطعن من کل سر مجدد

سدھائی ہوئی اونٹنیوں کے رب کی قسم اور ان کے وسیع بیابانوں اور پرخطر زمینوں کے قطع کرنے کی قسم

والبدن قد قربت لمنحرها   حلفة بر الیمین مجتهد

اور قربانی کے جانوروں کی قسم جو قربان گاہ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ ایسی قسم جو وفادار اور صاحب عزم کی قسم ہے

عارق طائی کہتا ہے:-

فاقسمت جهدا بالمنازل من منی   وما سحقت فیه المقادم والقمل

جاہلیت کی یہ بات اسلام میں بھی باقی رہی۔ فرزدق کا شعر ہے۔

الم ترنی عاهدت ربی واننی   لبین رتاج قائما ومقام

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے جب کعبہ اور مقام کے درمیان کھڑے ہو کر اپنے رب سے عہد کیا ہے کہ

علی حلفة لا اشتم الدهر مسلما   ولا خارجا من فی زور کلام

کسی مسلم کو گالی نہ دوں گا اور نہ اپنے منہ سے کوئی جھوٹی بات نکالوں گا۔

حطیئہ کہتا ہے:-

نعم والراقصات بکل فج   من الرکبان موعدها مناها

اچھل اچھل کر چلنے والی اونٹنیوں کی قسم ہر راہ سے جن کی منزل منیٰ ہے۔

مذہبی قسموں کی اصلی نوعیت یہ ہے۔ اس سے تمہیں معلوم ہوا ہو گا کہ ان سے مقصود دراصل اللہ تعالیٰ کو گواہ بنانا ہے۔ پھر اسی سے اس کے وکیل و کفیل ہونے کا مفہوم بھی پیدا ہو گیا۔ یعنی قسم کھانیوالوں کی ذہنیت یہ ہوتی تھی کہ اگر انھوں نے اس قسم یا عہد میں جھوٹ اور فریب کو راہ دی تو یہ موجب قہر الٰہی ہو گا۔ نابغہ کے جو اشعار اوپر مذکور ہوئے ہیں۔ ان میں یہ تصور پوری طرح نمایاں ہے۔

رب ملجا و امیار تو وہ جب اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتے ہیں تو ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کا اظہار اور قسم کی پختگی اور قطعیت کا اعلان ہوتا ہے۔ اس فصل کے آخر میں کچھ اشعار ذکر ہوں گے جن سے ہمارے اس خیال کا ثبوت ملے گا۔

اور یہ جو اہل عرب اپنی قسموں میں خانہ کعبہ، قربانی، اور بیت اللہ کو چھونے کا ذکر کرتے ہیں تو ان سب سے مقصود محض شہادت کے مفہوم کو تقویت دینا اور قسم کے طریق کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ مجرد اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم پورا تنبہ نہیں پیدا کرتی پس وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ قسم کی اصل اور اس کی صورت کو نگاہ کے سامنے رکھدیں تاکہ قلب پر اس کا اثر پڑے۔

ہم نے قسم کا جو مفہوم اہل عرب کے حالات اور ان کے اشعار سے اخذ کیا ہے اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ وہ جگہ جگہ اپنی قسموں میں اللہ کی گواہی کا ذکر کرتے ہیں اور "اللہ گواہ ہے"، "اللہ جانتا ہے"، اور اس کے ہم معنی الفاظ ان کے کلام میں بہت ملتے ہیں۔ عمرو بن معدیکرب کہتا ہے

الله یعلم ما ترکت قتالهم   حتی علوا فرسی باشقر مزبد

خدا گواہ ہے کہ میں نے ان سے مقابلہ نہیں چھوڑا یہاں تک کہ سرخ اور جھاگ والے خون کے ساتھ میرے گھوڑے پر چھا گئے

حارث بن عباد کا شعر ہے۔

لم اکن من جناتها علم الله   وانی بحرها الیوم صال

خدا گواہ ہے کہ میں اس کے ابھارنے والوں میں تو نہیں ہوں مگر اس فساد کی آگ سے جل رہا ہوں۔

نابغہ نے سانپ اور اس کے ایک حلیف آدمی کا قصہ نقل کیا ہے اس سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ قصہ یوں ہے کہ سانپ نے حلیف کے لڑکے کو ڈس لیا جس سے وہ مر گیا لیکن پھر دیت کے وعدہ پر فریقین میں صفائی ہو گئی لیکن جب آدمی نے اپنی دیت پوری کر لی تو سانپ کو قتل کر دینا چاہا لیکن وہ کسی طرح بچ گیا۔ اس کے بعد آدمی نے اسکو دوبارہ صلح و محبت کی دعوت دی۔

اس واقعہ کو بایں الفاظ بیان کرتا ہے۔

آدمی نے کہا: فقال تعالی نجعل اللہ بیننا ۔:۔ علی ما لنا او تنجزی لی اخرہ

آدمی نے کہا آؤ ہم اپنے معاملہ پر از سرِ نو اللہ کو گواہ بنائیں پھر تم، تم یک اپنے وعدہ کو پورا کرو

سانپ نے جواب دیا:۔ فقالت یمین اللہ فعل انثی ۔:۔ رأیتک مسحورا یمینک فاجرہ

سانپ نے جواب دیا خدا کی قسم اب میں یہ نہیں کرنے کا تم سحرزدہ ہو اور تمہاری قسم جھوٹی ہے۔

ہمارے اس دعوی کا نہایت واضح ثبوت آنحضرت صلعم کے آخری خطبہ میں بھی موجود ہے۔ آپ نے تمام اہم امور و فرائض کے ذکر کے بعد فرمایا:۔ "الا ھل بلغت۔ اللھم اشھد" (آگاہ میں نے پہنچا دیا، اللہ تو گواہ ہے) دیکھو آپ نے جو عہد لیا اس پر اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہرایا۔

اس ذیل میں ابن اللتبیہ ازدی کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ ان کو آنحضرت صلعم نے تحصیل صدقہ کے لئے عامل بنایا، لیکن انھوں نے اس سلسلہ میں کچھ ہدیے وغیرہ قبول کر لئے۔ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے اس پر غصہ کا اظہار فرمایا اور اس کی ذمہ داریوں کو یاد دلانے کے بعد آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین بار فرمایا:۔ "اللھم ھل بلغت" اے خداوندا میں نے پہنچا دیا۔

آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اللہ کو گواہ ٹھہرانے کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک واقعہ میں بھی ملتی ہے۔ کتاب پیدائش باب ۱۴ ۲۲ میں ہے۔

" ابرام نے سدوم کے بادشاہ سے کہا کہ میں نے خداوند تعالیٰ آسمان و زمین کے مالک کی طرف ہاتھ اٹھایا ہے (قسم کھائی ہے) کہ میں نہ تو کوئی دھاگا نہ جوتی کا تسمہ تیری اور کوئی چیز لوں "

" ہاتھ اٹھایا ہے" یعنی اس پر اللہ کی قسم کھائی ہے۔ اس کو گواہ ٹھہرایا ہے اور اس سے معاہدہ کیا ہے۔

ہمارے نزدیک نماز میں ہاتھ اٹھانے کی اصل حقیقت بھی عہد و شہادت ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے

اپنی کتاب اصول الشرائع میں کی ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں بھی جگہ جگہ اس کی تصریح موجود ہے اور اس کے بعض شواہد آخری فصل میں بیان ہو چکے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دینی قسموں کی اصل حقیقت بھی شہادت ہی ہے۔ ان میں تعظیم کا مفہوم محض مقسم بہ کے جہت سے داخل ہو گیا ہے۔ قسم کے اصل مفہوم یعنی شہادت کے جہت سے نہیں داخل ہوا ہے۔ اس حقیقت کی پوری توضیح ان قسموں سے ہو گی جن میں مقسم بہ محض استدلال کیلئے ہے اور یہ بلاغت کا ایک نہایت ہی لطیف باب ہے جس کے حقایق آیندہ فصلوں میں بیان ہوں گے

(باقی)

تفسیر سورہ عصر

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تفسیر سورہ عصر کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ تفسیر خصوصیت کے ساتھ بعض دقیق مباحث قرآنی کی حامل ہے۔ لفظ عصر کی تحقیق اور زمانہ کی قسم کی تاویل نہایت بصیرت افروز ہے۔ آخر میں ایمان کے مفہوم اور حق و صبر کے باہمی تعلق کی تشریح بھی بڑی اثر انگیز اور ایمان افروز ہے، کاغذ عمدہ، کتابت و طباعت بہترین۔ قیمت ۶/

اسباق النحو

اردو زبان میں عربی صرف و نحو کے بہترین رسالے۔ قیمت :۔ حصہ اول ۸/ حصہ دوم ۶/

"مینجر"

موعظتِ حسنہ

مومن قرآن کے آئینہ میں

از جناب مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی

ہم مسلمانوں کا مذہبی صحیفہ قرآن ہے۔ اس نے جس طرح ہمارے اعمال وعقائد سے متعلق احکام بیان فرمائے ہیں اسی طرح ہماری روزمرہ کی زندگی کی چلتی پھرتی تصویر بھی کھینچی ہے اور اس تصویر کا منشا یہ ہے کہ جو شخص اس کتاب کی طرف اپنے تئیں منسوب کرے اور اس پر ایمان واعتقاد کا مدعی ہو وہ اس کی پیش کی ہوئی تصویر کے مطابق اپنے کو ڈھالے اور اپنی روزمرہ کی عملی زندگی سے دنیا پر اس کتاب کی حقیقت نمایاں کرے۔ یہی اس شہادت کی اصلی حقیقت ہے جس کا ذکر قرآن پاک نے فرمایا ہے كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ اسی طرح ہم نے بنایا تم کو ایک معتدل امت تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہو۔ رسول اللہ صلعم نے اس قرآن کی جس طرح گواہی دی اس کی اصلی حقیقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دو لفظوں میں بیان فرمادی کہ کان خلقه القرآن۔ یعنی آپ کے خلق کی حقیقت یہی کہ آپ چلتے پھرتے مجسم قرآن تھے۔

ہم اگر قرآن پر ایمان کا دعوی کرتے ہیں اور خود ہماری اپنی زندگی اس سانچہ پر ڈھلی ہوئی نہیں ہے تو ہمارا یہ دعوی جھوٹا ہے اور اس طرح نہ ہم اپنی حقیقت دنیا کو سمجھا سکتے نہ قرآن کی کسی تعلیم کے

فروغ کا اصلی راز یہ ہے کہ ایک نئی جماعت اس کو پوری قوت کے ساتھ اٹھالے۔ یہی حقیقت ہے جس کو قرآن نے خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور یہی وہ اصلی خدمت ہے جو صحابہ رسول صلعم نے انجام دی۔ اور یقیناً یہی چیز تھی جس نے چند سالوں کے اندر اندر دنیا کے گوشہ گوشہ کو اسلام سے آشنا کردیا کیونکہ یہ ایک بالکل عملی اور ظاہر چیز تھی۔ اس کو بیان کرنے کے لئے لمبی تقریروں، پرزور خطبوں، پرمغز مضامین اور موٹی موٹی تصنیفوں کی ضرورت نہیں تھی۔ جو جماعت اس کی داعی تھی اس کی ایک ایک ادا اس کے عقائد کا مظہر تھی۔ اس کی پیشانی سے اس کا نور چھپتا تھا۔ اس کے منہ سے اس کے بول نکلتے تھے اور اس کے تمام اعضاء وجوارح کی ایک ایک حرکت اس کتاب عزیز کی منادی تھی۔ ایک ایسی جماعت کو دنیا کی جو قوم بھی دیکھتی تھی، دیکھنے کے ساتھ ہی اس کے تمام افکار وعقائد اس پر روشن ہوجاتے تھے۔ اور چونکہ وہ تمام اصول عمل میں نمایاں تھے اس لئے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ سوال نہیں پیدا ہوتا تھا کہ ان اصولوں پر عمل کرنا ممکن ہے بھی یا نہیں اور اگر ممکن ہے تو ان کے عملی نتائج کیا ہوں گے؟ کیونکہ یہ سارے سوالات مسلمانوں کی عملی زندگی اور اس کی حیرت انگیز کامیابی خود حل کررہی تھی۔

انہی اچھی آرزوؤں کے ساتھ ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو قرآن مجید کے اندر ان کی تصویر دکھائیں۔ ممکن ہے کہ جو مسلمان آج اپنی زندگی کے لئے نمونوں کی تلاش میں دوسروں کو دیکھ رہے ہیں، ان میں سے کچھ خود اپنی طرف بھی مڑ کے دیکھنے کی کوشش کریں اور یقیناً اگر انھوں نے اس کو غور سے دیکھا تو وہ محسوس کریں گے کہ اس نمونہ سے بڑھکر کوئی نمونہ نہیں جو قابل پیروی ہو۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً

مومن کا شعار ملی

مومن کا شعار ملی، (ماٹو) جس میں اس کی زندگی کے تمام اغراض ومقاصد مضمر ہیں، اور جس کو وہ اپنی زندگی کے ہر قول وفعل سے نمایاں کرتا ہے قرآن مجید نے سورہ انعام میں مندرجہ ذیل لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ — کہو میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور

وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا — اور موت سب پروردگار عالم کے لئے ہے کوئی
شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ — اس کا شریک نہیں اور مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے
وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (۱۶۲-۱۶۳ انعام) — اور میں سب سے پہلے اسکے آستانہ پر سر ڈالنے والا ہوں

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ ایک مومن کی زندگی اور موت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ وہ اسی کے لئے جیتا ہے اور اسی کے لئے مرتا ہے۔ رضاء الٰہی کے سوا اس دنیا میں کوئی چیز نہیں جو اسکو مطلوب ہو۔ اگر اس کی زندگی کی تمام لذتیں برباد ہو جائیں لیکن اس کا اصلی مقصد زندہ ہو تو وہ پوری طرح مطمئن اور فارغ البال ہے

اللہ کے لئے محبت
اللہ کے لئے نفرت

اسی اللہ کے رشتہ سے اس کے تمام رشتے اور ناطے قائم ہوتے ہیں۔ جو لوگ اللہ سے رشتہ رکھیں ان کا وہ رشتہ دار ہے اور جو اللہ سے تعلق کاٹ لیں ان کو وہ بے تعلق ہے۔ باپ، بیٹے، بھائی اور دوسرے اعزا سے بھی اس کا رشتہ اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ — جو لوگ اللہ اور روز آخرت کا یقین رکھتے ہیں
الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ — ان کو تم نہ دیکھو گے کہ خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ — ساتھ دوستی رکھیں گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے
وَابْنَآءَهُمْ وَاِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ — یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے ہی کے ہوں یہی ہیں
اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ — جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے
وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ — اور اپنے فیضان غیبی سے انکی تائید کی ہے ان کو وہ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ — میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ — اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے خدا ان سے خوش

وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ — اور وہ خدا سے خوش۔ یہ خدائی گروہ ہے خدائی
اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ — گروہ ضرور کامیاب ہوگا۔۔۔۔۔۔
الْمُفْلِحُوْنَ (۲۲-مجادلہ) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دیکھئے اس آیت میں مومنین کاملین کے البغض فی اللہ کے پہلو کو کس واضح طریقہ سے پیش کیا گیا ہے۔ یہی نہیں کہا کہ اعداء دین سے ربط ضبط رکھنا مناسب نہیں بلکہ بلا رو رعایت مومنین سے کہا گیا کہ تم پر اس وقت تک مومن کا اطلاق نہیں ہو سکتا تا آنکہ تم خدا کے لئے ان تمام لوگوں سے ربط ضبط چھوڑ دو جو خدا کے باغی ہیں اس لئے کہ ان کی راہ تمھاری راہ سے بالکل الگ ہے۔ تمھاری صلح ان سے اسی وقت ہو سکتی ہے جب وہ قانون الٰہی تسلیم کر کے معبود حقیقی کے سامنے اپنی پیشانیاں جھکا دیں۔ اس باب میں کسی طرح کا امتیاز نہیں جو بھی خدا اور اس کے رسول کا مخالف ہو اس سے تمھارا رشتہ نہیں جڑ سکتا۔ خواہ تمھارا باپ، بیٹا، بھائی یا خاندان ہی کا کوئی فرد کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی اس کیلئے تیار نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ پوری بلند آہنگی کے ساتھ دعاء ایمان بھی کرتا ہے تو خدا کی شریعت کی رو سے وہ اپنے دعوئ ایمان میں جھوٹا ہے اور اس صفت کا کوئی فرد حزب اللہ کا رکن کہلانے کا مستحق نہیں، اس لئے کہ جس طرح ایک خادم کا دو آقا کو خوش رکھنا ناممکن ہے اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ حزب اللہ کا بھی ممبر ہو اور حزب الشیطان سے بھی ربط ضبط رکھے۔

مومن خدا کے ہاتھ بک چکا ہے

مومن کے خصائص میں سے ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ خدا کے ہاتھ جنت کے عوض بک چکا ہے۔ اس کی کوئی چیز اس کی ملکیت نہیں ہے۔ سب خدا کی ملکیت ہے۔ جب خدا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ بے دریغ اپنی جان اور اپنا مال سب اللہ کی راہ میں قربان کر دیتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ دغا باز ہے۔ وہ قیمت پا کر دوسرے کا مال اپنے گھر میں نہیں رکھتا۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ	بیشک خدا نے مومنوں سے ان کی جانیں
أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ	اور ان کے مال خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے
الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ	ان کو جنت دی جائے۔ لوگ جان و مال سب پروا
فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا	ہو کر خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے ہیں اور مارے
فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَ	جاتے ہیں۔ یہ خدا کا پکا وعدہ ہے جسکو پورا کرنا اس نے
الْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهِ	اپنے اوپر لازم کر لیا ہے تورات میں انجیل میں اور قرآن میں
مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ	ہیں۔ اور خدا سے بڑھکر اپنے قول کا پورا اور کون
الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۚ وَذٰلِكَ	ہو سکتا ہے۔ پس یہ جو اس سودے کی جو تم نے خدا کے
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (۱۱۱ توبہ)	ساتھ کیا ہے خوشیاں مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

مسلمانوں کی بالکل یہی خصوصیت ایک دوسری جگہ یوں مذکور ہے:۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا	مومن تو وہ ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان
بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا	لائے پھر انھوں نے شبہ نہیں کیا اور انھوں نے
وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ	خدا کی راہ میں جان اور مال سے جہاد کیا۔ یہ
فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ أُولٰئِكَ هُمُ	کامل درجہ کے لوگ ہیں ....
الصَّادِقُونَ (۵ حجرات)	....

مومن موت سے بے ڈر ہوتا ہے مومن موت سے نہیں ڈرتا ہے کیونکہ .... اس کا اصلی مقصد رضائے الٰہی کو قریب تر ہوتا ہے۔ یہ دنیاوی زندگی فی نفسہ اس کو عزیز نہیں ہے۔ صرف اس لئے عزیز ہے کہ رضائے الٰہی کی طلب کا یہ ایک وسیلہ ہے۔ پس اگر یہ مقصد اسکو کھو کر حاصل ہو جائے تو یہ کھونا اس کے نزدیک کھونا نہیں پانا ہے۔ اس زندگی کا کھونا ان کے لئے گراں ہے جو اس زندگی پر مرتے ہیں گر مومن

کا مقصد اس سے اعلیٰ و ارفع ہے پس اس زندگی کا فنا و بقا اس کے نزدیک نفس مقصد کے اعتبار سے کوئی اہم واقعہ نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانیوالے ساحروں نے فرعون سے اسی بنا پر کہا تھا:۔

قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَاءَنَا	بولے کہ کھلے کھلے دلائل جو ہمارے پاس آئے ان پر
مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا	اور جس خدا نے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر ہم تجھکو کبھی
فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا	ترجیح دینے والے نہیں تو جو کرنے والا ہو کر تو
تَقْضِي هٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا	دنیا کی اسی زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے ہم تو اپنے
إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا	پروردگار پر ایمان لا چکے تاکہ وہ ہمارے گناہوں
وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ	کو معاف کرے اور اس جادو کو جس پر تو نے ہم کو
وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَأَبْقٰى ۝ (طہٰ ۔ ۷۲۔۷۳)	مجبور کیا اور خدا سراپا خیر و برکت اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے

مومن ذکر الٰہی سے کسی وقت غافل نہیں ہوتا مومن کی ایک بہت ہی نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس کی زبان ذکر الٰہی میں ہر وقت زمزمہ سنج رہتی ہے۔ وہ پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ اوقات میں بھی خدا کی یاد ہی میں بسر کرتا ہے۔ وہ خدا کی آیتیں سنکر سجدہ میں گر پڑتا ہے اس کی تسبیح کرتا ہے۔ اس کا دل کبھی تکبر سے آلودہ نہیں ہوتا اور شب میں وہ گرم بستر کے اندر پاؤں پھیلا کے نہیں سوتا۔ رات کی تنہائی میں بستر سے محروم و مہجور خدا کی عبادت میں مشغول رہتا ہے۔

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا	ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جنکا حال
ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا	یہ ہے کہ جب انکو ان کے ذریعہ سے یاد دہانی کیجاتی ہے
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ	سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد
تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ	کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے ان کے پہلو

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا	وہ رہتے ہیں خوف اور امید سے اپنے پروردگار
وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ	سے دعائیں مانگتے اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہو
(سجدہ ۱۵-۱۶)	اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔

مومن کیا ایثار ہوتا ہے مومن کی ایک امتیازی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی ضروریات پر دوسری کی ضروریات اور اپنی بھوک پر دوسرے کی بھوک کو ترجیح دیتا ہے، وہ خود بھوکا سو رہے گا مگر حتی الوسع اپنے پڑوسی کو بھوکا نہ سونے دیگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس کے اس ایثار کی محرک نمود و نمائش کی خواہش نہیں بلکہ محض رضاء الٰہی کی طلب ہے۔

سورہ دہر میں فرمایا گیا ہے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ	باوجودیکہ خود وہ کھانے کے ضرورتمند ہوتے ہیں
مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اِنَّمَا	مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں اس جذبہ
نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ	کے ساتھ کہ ہم رضائے الٰہی کے لئے تم کو کھلاتے ہیں
مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا	تم کو بدلہ اور شکر گزاری مطلوب نہیں۔

ایک دوسری جگہ یوں مذکور ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ	اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں تنگی ہی کیوں نہ
بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر)	ہو . . . .

مومن کا مکمل حلیہ مومن کی جو صفات اوپر بتائی گئی ہیں ان سے ایک حد تک مومن کا حلیہ ذہن نشین ہو گیا ہوگا لیکن اب تک اس باب میں ہم نے کوئی ایسی آیت نہیں پیش کی جس میں مومن کا حلیہ اس اسلوب سے پیش کیا گیا ہو کہ اس میں اس کا ایک ایک خط و خال نمایاں ہو گیا ہو، ذیل میں ہم چند ایسی آیات پیش کریں گے جو مومن کا پورا سراپا سامنے کر دیتی ہے۔

سورہ مومنون میں ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ	خدا یقین والوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں عاجزی
فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ وَالَّذِيْنَ	کرتے اور وہ جو لغو باتوں کی طرف رخ نہیں کرتے اور
هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِيْنَ	وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی
هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ وَالَّذِيْنَ	حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیبیوں یا اپنے ہاتھ کے
هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا	مال یعنی لونڈیوں سے کہ ان پر کچھ الزام نہیں لیکن
عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ	جو اس کے علاوہ کے طلبگار ہوں تو وہی لوگ
فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى	حد سے باہر نکلے ہوئے ہیں، اور وہ جو اپنی
وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں اور وہ
الْعٰدُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ	جو اپنی نمازوں کے پابند ہیں، یہی لوگ وارث
وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ وَالَّذِيْنَ	ہیں جو بہشت کے وارث ہوں گے اور اس میں
هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝	ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے . . . .
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ	. . . .
يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا	. . . .
خٰلِدُوْنَ (۱-۱۱ مومنون)	. . . .

ایک دوسرے مقام پر مومن کی روزمرہ کی زندگی کا نقشہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ	اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی
عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ	کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے جہالت
الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا وَّالَّذِيْنَ	کی باتیں کرتے ہیں تو ان سے سلام کہکر الگ ہو جاتے ہیں۔

يبيتون لربهم سجدا وقياما	اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے بسر کرتے ہیں
والذين يقولون ربنا اصرف	سجدے کرتے ہوئے اور کھڑے اور جو دعا میں مانگتے
عنا عذاب جهنم ان عذابها	ہیں کہ اے ہمارے پروردگار دوزخ کے عذاب کو
كان غراما انها ساءت مستقرا	ہم سے پھیر دے۔ دوزخ کا عذاب لازم ہو جانے والا ہے
ومقاما والذين اذا انفقوا	وہ بری جگہ رہنے کی اور ٹھہرنے کی اور وہ جب خرچ
لم يسرفوا ولم يقتروا وكان	کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے
بين ذلك قواما والذين لا	بلکہ ان کا خرچ افراط اور تفریط کے درمیان ہوتا ہے
يدعون مع الله الها آخر	اور جو خدا کے ساتھ دوسرے کو معبود نہیں ٹھہراتے اور
ولا يقتلون النفس التي حرم	ناحق اس جان کو نہیں مار ڈالتے جسے خدا نے حرام قرار
الله الا بالحق ولا يزنون	دیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں
ومن يفعل ذلك يلق اثاما	اور جو ایسا کرے گا وہ گناہ کا خمیازہ بھگتے گا کہ قیامت کے
يضاعف له العذاب يوم القيمة	دن اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور ذلیل و خوار
ويخلد فيه مهانا الا من تاب	اسی حال میں پڑا رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان
وامن وعمل عملا صالحا	لایا اور نیک عمل کیا تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو خدا
فاولئك يبدل الله سيئاتهم	نیکیوں سے بدل دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان
حسنت وكان الله غفورا رحيما	ہے اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو
ومن تاب وعمل صالحا فانه	حقیقت میں وہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور
يتوب الى الله متابا والذين	وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جس وقت بیہودہ
لا يشهدون الزور واذا مروا	مشغلوں کے پاس ہو کر گزرتے ہیں تو وضع داری

باللغو مروا كراما والذين	کے ساتھ گزرتے ہیں اور وہ لوگ کہ جب ان کے
اذا ذكروا بايت ربهم لم يخروا	پروردگار کی آیات کی تذکیر کی جاتی ہے تو اندھے اور بہرے
عليها صما وعميانا والذين	ہو کر ان پر نہیں گرتے اور جو دعا میں کہتے ہیں کہ
يقولون ربنا هب لنا من ازواجنا	اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں سے اور
وذريتنا قرة اعين واجعلنا	اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما
للمتقين اماما اولئك يجزون	اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا یہی لوگ ہیں جن کو ان
الغرفة بما صبروا ويلقون	صبر کے بدلے بالاخانے ملیں گے اور وہاں دعا اور
فيها تحية وسلما خلدين	سلام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا ہمیشہ
فيها حسنت مستقرا ومقاما	یہ ہمیشہ رہیں گے۔ اچھی جگہ ہے ٹھہرنے کی اور رہنے کی۔

ان آیات سے مومن کی زندگی کی مندرجہ ذیل خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں۔

۱۔ مومن سراپا عجز و انکسار ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک نظر تو اس کی خدا کی رفعت و کبریائی کی طرف لگی ہوتی ہے۔ اور دوسری اپنی عاجزی و بیکسی پر اس لئے اس کی قوت غضبیہ معطل رہتی ہے اور اس کا دل جھوٹے عجب و غرور کی چھوت سے پاک ہوتا ہے۔

۲۔ مومن کسی سے الجھتا نہیں بلکہ مخالف کے ہر وار کو وہ قالوا سلاما کی ڈھال پر روکتا ہے۔

۳۔ مومن کا دل ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔

۴۔ مومن عدالت کبریٰ کے تصور سے ہر وقت کانپتا رہتا ہے اور اس دن کی ہولناکی سے بچنے کیلئے فکر مند رہتا ہے۔

۵۔ مومن اسراف اور بخل سے متنفر ہوتا ہے۔

۶۔ مومن کے دل میں خدا کی عظمت و کبریائی کے سوا کسی کے لئے جگہ نہیں۔

۷۔ مومن حدود الٰہی سے باہر قدم نہیں نکالتا۔

۸۔ مومن کا دامن فواحش سے پاک ہوتا ہے۔

۹۔ مومن کی راہ میں ٹھیک شہادت دینے سے کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔

۱۰۔ مومن لغویات سے کنارہ کش ہوتا ہے۔

۱۱۔ مومن ہر بات میزان عقل پر تول کر قبول کرتا ہے۔

۱۲۔ مومن نماز میں عجز و انکسار مجسم ہوتا ہے۔

۱۳۔ مومن نماز کے اہتمام میں چوکس ہوتا ہے۔

۱۴۔ مومن زکوٰۃ کی ادائیگی میں چست ہوتا ہے۔

۱۵۔ مومن اولاد صالح کا طالب ہوتا ہے تاکہ اہل ارض کے لئے وہ خیر و برکت کا ذریعہ ہو۔

یہ ہے قرآن کے آئینہ میں مومن کا حلیہ جو ہر مومن کے لئے نمونہ کا کام دے سکتا ہے۔

تفسیر سورہ لہب

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تفسیر سورہ لہب کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں عام خیال کی مدلل تردید کی گئی ہے کہ یہ سورہ بد دعا ہے ابولہب اور اس کی بیوی کے وجوہ ذکر نہایت اثر انگیز ہیں۔ اس تفسیر کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کتابت و طباعت بہترین کاغذ عمدہ

قیمت اردو ۲ر - عربی ۳ر

"منیجر"

مذاکرہ

ہمارے علماء کے فقہی اختلافات

(۲)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے، خود ان کی تحقیق یہ معلوم ہوتی ہے کہ فتنہ قتل عثمان غنیؓ کے ظہور سے پہلے وعظ و فتویٰ کے تمام معاملات براہ راست مرکز خلافت سے وابستہ تھے۔ کوئی شخص نہ تو اپنے جی سے فتوے دیتا تھا نہ اپنی رائے سے وعظ کہتا تھا۔ جب کوئی فقہی اختلاف پیدا ہوتا، لوگ امیر سے رجوع کرتے۔ امیر صحابہؓ سے مشورت کے بعد، ایک منقح اور قطعی صورت طے کرتا اور وہی صورت ایک مجمع علیہ صورت قرار پا جاتی۔ پھر وعظ، فتوے اور قضاء کے تمام معاملات اسی کے مطابق انجام پاتے۔

لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے قتل کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوت کی برکت اٹھ گئی۔ حضرت علیؓ کا زمانہ تمام تر انتشار میں گزرا اور اس کے بعد خلافت راشدہ کی جگہ ایک ایسا اقتدار ظہور میں آگیا جو دینی اجتماع و مرکز کی روح سے یکسر خالی تھا۔ اس صورت حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب جو اختلافات پیدا ہوتے تھے ان میں اجتماع و تالیف پیدا کرنے کے لئے مسلمانوں کے سر پر کوئی صحیح مذہبی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ جو قول زبان سے نکلتا وہ اپنی جگہ پر اپنا علم گاڑ دیتا یہاں تک کہ آہستہ آہستہ متخالف و متصادم اقوال واراء کی صف بندیاں شروع ہو گئیں اور بعد میں لوگوں نے ان مختلف اقوال کو عین سنت خیال کر کے ان کی حمایت و تائید میں طرح

لڑنا شروع کر دیا کہ آپس میں صلح وصفائی کے تمام امکانات ناپید ہو گئے۔

اس اجمال کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ سمجھنے کے لئے ضرورت ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ بعد کے ادوار میں فقہ کے مختلف مذاہب کس طرح درجہ بدرجہ وجود میں آئے اور ان کے آپس کے اختلافات کی نوعیت کیا ہوئی۔ یہ مسئلہ بہت تفصیل طلب اور کسی قدر مشکل ہے۔ میں صرف مسئلہ کا ایک اجمالی تصور پیدا کرنے کیلئے صرف ان گوشوں کی طرف اشارہ کروں گا جو نہایت ضروری ہیں۔ اس بحث میں استفادہ کیلئے میرے پیش نظر اعلیٰ حجۃ الشیخ ولی اللہ اور صاحب حجۃ اللہ البالغہ کے رسائل میں سے، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف اور عقد الجید فی بیان احکام الاجتہاد والتقلید ہیں لیکن کہیں کہیں توضیح مطالب کے لئے مدونہ، کتاب الام اور جامع بیان العلم سے بھی مدد لی ہے۔ اور یہ سب کتب معتبرہ ہیں۔ فاقول وباللہ التوفیق۔

تابعین کا دور صحابہؓ کے بعد جن لوگوں نے امصار و بلاد اسلام کے مختلف گوشوں میں افتاء و قضاء کی مسندیں سنبھالیں وہ یہ ہیں۔

مدینہ میں	سعید بن مسیب، سالم بن عبداللہ بن عمر، محمد زہری، قاضی یحییٰ بن سعید، ربیعہ بن عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہم)
مکہ میں	عطاء بن رباحؒ
کوفہ میں	ابراہیم نخعیؒ، شعبی
بصرہ میں	حسن بصریؒ
یمن میں	طاؤس بن کیسانؒ
شام میں	مکحولؒ

یہی لوگ تھے جن سے قضاء وافتاء کے تمام معاملات متعلق تھے۔ انہی کے واسطے سے رسول اللہ صلعم کا علم وعمل اور صحابہ کے اقوال وآثار پہلے اور پھر جو نئی ضرورتیں مسلمانوں کو پیش آئیں ان میں انہی کے اجتہاد وتفقہ نے رہنمائی کی۔

اس دور میں سعید بن مسیب، اصحاب مدینہ میں سے اور ابراہیم نخعی، اصحاب کوفہ میں سے بہت نمایاں ہوئے۔ ان لوگوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ تمام ابواب فقہ سے متعلق مسائل جمع کئے اور ہر باب میں سلف کے اصول وضوابط معلوم کئے۔

سعید بن مسیب اور ان کے اصحاب کا خیال تھا کہ فقہ میں مکہ ومدینہ کے لوگوں کا رتبہ دوسروں کے مقابل میں اونچا ہے۔ چنانچہ ان کے مذہب کی بنیاد حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما اور قضاۃ مدینہ کے فیصلوں اور عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے فتووں پر قائم ہوئی۔ انھوں نے ان صحابہؓ سے جو کچھ پایا اس میں پوری تحقیق وتفتیش سے کام لیا۔ ان میں سے جو مسائل اہل مدینہ کے نزدیک متفق علیہ تھے وہ انھوں نے بے دھڑک لے لئے۔ جو مسائل مختلف فیہ ہوئے ان میں ترجیح کے مختلف وجوہ کی روشنی میں ترجیح دی اور جس بارہ میں ان کو سلف سے کوئی بات نہیں ملی اس میں اجتہاد رائے سے کام لیکر مسئلہ کا جواب نکالا اور اس طرح ہر باب میں ان کے منقولات واجتہادات کا ایک پورا ذخیرہ پیدا ہو گیا۔

ٹھیک اس کے مقابل میں فقہ کا ایک دوسرا اسکول (مذہب) کوفہ میں کام کر رہا تھا جس کے سرگروہ حضرت ابراہیم نخعی تھے۔ ابراہیم نخعی اور ان کے اصحاب کا خیال یہ تھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے اصحاب فقہ میں زیادہ اثبت ولائق اعتماد ہیں۔ چنانچہ علقمہؓ نے مسروقؒ سے فرمایا کہ میں اہل مدینہ میں سے کسی کو فقہ میں عبداللہ بن مسعود سے زیادہ اثبت اور لائق اعتماد نہیں پاتا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام اوزاعی سے کہا کہ ابراھیم افقہ من سالم ولولا فضل الصحبۃ لقلت ان علقمۃ افقہ من عبد اللہ بن عمر۔ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر فضیلت صحبت کا سوال نہ ہوتا تو میں کہتا کہ علقمہ عبداللہ بن عمر سے زیادہ افقہ ہیں۔

ابراہیم نخعی کے مذہب کی بنا حضرت عبداللہ بن مسعود کے فتووں اور حضرت علیؓ اور قاضی شریح

اور دوسرے قضاۃ کوفہ کے فیصلوں پر قائم ہوئی اور انھوں نے بھی اس تمام مواد اور ذخیرہ کو اسی طرح استعمال کیا اور جانچا پرکھا جس طرح اہل مدینہ نے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تابعین کے دور میں فقہ کے دو مختلف اسکول قائم ہو گئے، ایک علما و شیوخ کوفہ کا، دوسرا مدینہ کے اصحاب تفقہ و اجتہاد کا، اور ان دونوں اسکولوں کے اختلاف کے تہ میں اصلی چیز صرف یہی کہ لوگوں نے اپنے اپنے دیار کے علما و شیوخ کو دوسروں پر ترجیح دی۔ ہر چند کہ یہ میلان جیسا کہ خود شاہ صاحبؒ نے اپنے رسائل الانصاف فی بیان سبب الاختلاف اور عقد الجید فی بیان احکام الاجتہاد و التقلید میں ظاہر فرمایا ہے، ایک حد تک قدرتی تھا، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہی نقطہ ہے جہاں سے ہماری فقہ دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ اور اس طرح قانون اسلامی کی وحدت و ہم آہنگی اور پھر قدرتی طور پر خود امت کی یکسوئی میں ایک قسم کا فرق نمودار ہوتا ہے جو امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔

فقہا کا دور تابعین کرام کے بعد فقہا کا دور آیا، اس دور کے لوگوں نے تابعین سے اسی طرح دین حاصل کیا جس طرح تابعین کرام نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حاصل کیا اور اسی اہتمام و شوق کے ساتھ اس کو تفتیش و تحقیق روایت و درایت اور اجتہاد و تفقہ سے رونق دی جس طرح ان کے اگلوں نے دی۔ یہ دور اپنی خصوصیات میں بہت کچھ سابق دور سے اشبہ ہے، لیکن بعض باتیں اس دور سے متعلق یاد رکھنے کی ہیں جن سے آئندہ مباحث کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

اس دور میں مسند و مرسل ہر طرح کی حدیثیں بے تکلف لیتے تھے اور صحابہؓ و تابعینؒ کے اقوال سے بھی استناد کرتے تھے۔ اس کی وجہ یا تو یہ خیال تھا کہ اس طرح کی تمام موقوفات و مراسیل درحقیقت رسول اللہ صلعم سے منقول ہیں، جو بقصد اختصار موقوف کر دی گئی ہیں یا یہ کہ خود صحابہ نے کسی نص سے استنباط اور کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد کیا ہے اور چونکہ بعد والے لوگوں کے مقابل میں انکا

تفقہ و اجتہاد ہر صورت بڑھ کر ہے اس لئے لائق قبول ہے۔ اس اصول کی حمایت میں یہ بات بھی کہی جاتی تھی کہ بجائے اس کے ایک بات کو رسول اللہؐ سے نسبت دے کر اس کے صدق و کذب اور اس میں نقص و زیادت کی ذمہ داری لی جائے یہ زیادہ اچھا ہے کہ وہ رسول اللہ سے کسی نیچے ہی درجہ کے شخص پر ختم ہو جائے۔ قال الشعبی علی من دون النبی صلعم احب الینا فان کان فیہ زیادۃ او نقصان کان علی من دون النبی صلعم۔ اسی طرح کی بات حضرت ابراہیم نخعیؒ سے بھی مروی ہے۔

دوسری خصوصیت یہ تھی کہ احادیث رسول اللہ صلعم اگر کسی باب میں مختلف ہوتی تھیں تو اقوال صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے تھے اگر اس سے حدیث کے نسخ یا تاویل کا کوئی پہلو مل جاتا تھا۔ تو فبہا ورنہ یہ بات کہ صحابہؓ اس کے ترک پر متفق ہیں، اس حدیث کے ترک کیلئے کافی تھی۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ جب صحابہ اور تابعین کے مذاہب کسی باب میں مختلف ہوتے تھے تو ہر عالم اپنے شہر کے مذہب اور اپنے دیار کے شیوخ و فقہا کو زیادہ قابل اعتماد و لائق اتباع سمجھ کر اس کے مذہب کو اختیار کرتا تھا۔ اور یہ بعینہ وہی بات ہے جو ہم نے تابعین کے دور میں دیکھی تھی جو اپنی اسی شکل و صورت میں آگے اس دور میں چلی آئی۔ چنانچہ اہل مدینہ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، زید بن ثابتؓ، سعید بن مسیب، عروۃ، سالم اور عطا بن یسار، قاسم، زہری، یحییٰ بن سعید، زید بن اسلم، ربیعہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین کے مذاہب و اقوال کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں اور حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام فقہ انہی حضرات کے روایات و آثار اور عمل و اجتہاد پر قائم ہے۔

اس کے برعکس اہل کوفہ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے اصحاب کے مذہب، حضرت علیؓ اور قاضی شریحؒ و شعبیؒ کے فیصلوں، اور ابراہیم نخعیؒ کے فتووں کو ترجیح دیتے ہیں اور اس باب میں

ان لوگوں کو جو ابرام و اصرار رہا ہے اس کا اندازہ ان اقوال سے ہو سکتا ہے جو اوپر ہم نقل کر آئے ہیں۔ اور اس کا بہت حد تک اندازہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ان کتابوں سے بھی ہو سکتا ہے جو حال میں شائع ہوئی ہیں اور اسی ترجیح و تفضیل کے معرکوں کی یادگار ہیں۔

الغرض امام مالک رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کے علم و عمل، حضرت عمرؓ کے قضایا، اور عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ اور دوسرے صحابہ کبار و عظام (جو فقہائے سبعہ میں معدود تھے) کے اقوال و اجتہادات کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مسند افتاء و روایت پر سرفراز فرمایا تو انہی اکابر دین کا علم و عمل، ان کی تحقیق و تفتیش، اور ذہانت و درایت و تفقہ و اجتہاد سے جلا پا کر ان کے اصحاب کو ورثہ میں ملا۔ انھوں نے اس کی شرح و تلخیص کی، ان کے اصولوں پر مسائل کی تخریج کی، اور ان کے دلائل و ضوابط منضبط کئے اور پھر انہی کی مساعی سے مغرب اور ممالک اسلامی کے بعض دوسرے گوشوں میں اس مذہب کو فروغ ہوا۔

اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ابراہیم نخعیؒ اور ان کے اصحاب کے مذہب کے عالم تھے اور اپنے تمام اجتہادات و تخریجات میں ان کے اور ان کے اصحاب کے مذہب ہی کو بطور اصول پیش نظر رکھتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ اور رسالہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف دونوں میں لکھا ہے کہ "اگر ابراہیم نخعی اور ان کے اصحاب و اقران کے اقوال امام محمدؒ کی کتاب الآثار، جامع عبد الرزاق، مصنف ابی بکر بن شیبہ سے تم جمع کر لو اور امام صاحب کے اقوال کا ان سے موازنہ کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ اپنے اجتہادات و تخریجات میں ان لوگوں کے طریق سے بہت کم الگ ہوتے ہیں اور جہاں کہیں ان سے الگ ہوتے ہیں تو فقہائے کوفہ ہی کے دائرہ کے اندر رہتے ہیں ان سے باہر نہیں جاتے۔"

امام صاحب کے شاگردوں میں دو صاحب بہت نامور ہوئے۔ قاضی ابو یوسفؒ۔ اور امام محمدؒ

قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہارون الرشید کے عہد میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور ہوئے اور اس طرح وہ عراق، خراسان، اور ماوراء النہر وغیرہ میں امام صاحب کی فقہ کے پھیلنے کا واسطہ ہوئے۔

امام محمدؒ نے امام صاحب سے فقہ حاصل کی، پھر مدینہ جا کر امام مالکؒ سے موطا پڑھی اور بیان کیا جاتا ہے کہ پھر خود فقہ حنفی کے تمام مسائل کو لے کر ایک ایک کو موطا پر تولا۔ جو مسائل دونوں میں متفق علیہ ہوئے وہ تو خیر بحث سے خارج تھے لیکن جن مسائل میں اختلاف ہوا ان میں انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جس مسئلہ میں صحابہؓ و تابعین کی کوئی جماعت اپنے پہلو پر بھی پائی اس کو اختیار کر لیا اور جس مسئلہ کو دیکھا کہ محض کمزور تخریج اور ضعیف قیاس ہے اور حدیث صحیح اور اکثر صحابہ کا عمل اس کے خلاف ہے تو اس میں سلف کے مختلف مذاہب میں سے جو مذہب ان کو اس وقت مرجح معلوم ہوا اس کو اختیار کر لیا تاہم قاضی ابو یوسف اور امام محمد (رحمۃ اللہ علیہما) بالعموم امام نخعیؒ اور ان کے اصحاب کے مذاہب و طرق سے الگ نہیں ہوتے۔

فقہ کے یہ دونوں اسکول ابھی اپنی ترتیب و تدوین کے پہلے ہی مرحلہ میں تھے کہ حضرت امام شافعیؒ کا ظہور ہوا۔ انھوں نے ان لوگوں کے طریق استنباط و اجتہاد پر غور کیا تو ان کو نظر آیا کہ اس میں بعض نقائص ہیں۔ ان نقائص کو دور کرنے کے لئے انھوں نے اجتہاد و استنباط اور ترتیب و تدوین اصول و فروع کے نئے ضابطے مرتب کئے۔ اس سلسلہ میں خاص امور جو ان کے پیش نظر تھے ان کو انھوں نے اپنی کتاب الام کے شروع میں ذکر فرمایا ہے۔ ہم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے یہاں ان میں سے بعض کو بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ اسکول مالکی اور حنفی اسکول سے کن امور میں الگ ہے اور ان کی نوعیت کیا ہے۔

۱۔ اوپر مالکی اور حنفی اسکول کے متعلق یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ان میں مرسل و منقطع روایات کے اخذ و تمسک میں پوری آزادی تھی۔ حضرت امام شافعیؒ نے اس آزادی کو قدغن کیا۔ انھوں نے دیکھا کہ

جب حدیث کے تمام طرق کو جمع کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ...... بہت سی مرسل روایات بالکل بے اصل ہیں اور بعض مراسیل مسند روایات کی مخالف بھی پڑتی ہیں جس کو دین میں خلل واقع ہوتا ہے۔ پس مرسل کے اخذ و قبول کے لئے انھوں نے شرائط قائم کئے جو اصول کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

۲- ان لوگوں کے پاس مختلف روایات کے جمع و تطبیق کے لئے منضبط قاعدے نہیں تھے جس سے ان کے اجتہادات میں بسا اوقات خلل واقع ہوتا تھا۔ حضرت امام شافعیؒ نے اس کے لئے قاعدے مرتب کئے چنانچہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اصول فقہ میں کتاب لکھی۔

۳- تیسری بات یہ ہے کہ علمائے تابعین میں سے جو لوگ مسند قضا و افتا پر مامور ہوئے ان میں سے بعض لوگوں کو بعض حدیثیں نہیں پہنچیں۔ ایسی حالت میں انھوں نے ان صورتوں کے لئے صحابہؓ کے فتووں یا عام اصول شریعت کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے کوئی اوفق بات اخذ کر کے فتوے دئے۔ بعد میں تیسرے طبقہ میں آکر جب وہ حدیثیں ظاہر ہوئیں تو انھوں نے ان حدیثوں کو اس بنا پر نہیں لیا کہ یہ ان کے شہر کے لوگوں کے عمل اور مذہب کے خلاف ہیں کیونکہ اس چیز کو یہ حضرات جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، ایک علت قادحہ سمجھتے تھے۔

اسی طرح بعض ایسی حدیثیں بھی ان لوگوں کی نظر سے رہ گئیں جو تیسرے طبقہ میں بھی ظاہر نہیں ہوئیں بلکہ بعد میں اس وقت ظاہر ہوئیں جبکہ ارباب حدیث نے گوشہ گوشہ چھان کر تمام روایات اور ان کے تمام طرق کا سراغ لگایا اور ایک ایک شیخ کو معلوم کر کے اس کی روایات کو منظر عام پر لائے۔

اس طرح کی روایات کے متعلق حضرت امام شافعیؒ نے ایک صاف اور واضح مسلک اختیار کیا جو سلف کے طریق کے بالکل موافق تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ہر مسئلہ میں کتاب اللہ کے بعد حدیث تلاش کرتے تھے۔ جب حدیث نہیں پاتے تھے اس وقت استدلال کے دوسرے طریقوں سے کام لیتے تھے اور بعد میں جب ان کو حدیث مل جاتی

تھے، اپنے اجتہاد سے رجوع کر کے اس حدیث کو اختیار کر لیتے تھے ....

پس ایسی صورت میں ان کا مجرد کسی حدیث کو نہ لینا اس حدیث کے لئے کوئی علت قادحہ نہیں ہے، علت قادحہ اسی وقت ہوگی جب وہ اس کو بیان کردیں۔ امام شافعی کے اسی اصول کی بنا پر قلتین اور خیار مجلس والی حدیث میں انکا مذہب امام مالک اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما سے بالکل الگ ہوا اور ان کے متعلق متاخرین کی معرکہ آرائیاں حدیث و فقہ کے طلبہ کو خوب معلوم ہیں۔

۴- چوتھی بات یہ ہے کہ صحابہؓ کے اقوال و آثار جب امام شافعیؒ کے زمانہ میں اکٹھا ہوئے تو معلوم ہوا کہ اس میں بہت کچھ اختلاف ہے اور چونکہ بعض لوگوں کو بعض صحیح حدیثیں نہیں پہنچی ہیں اس لئے بہت سے اقوال حدیث صحیح کے مخالف بھی ہیں۔ ایسی حالت میں سلف کا مذہب یہ تھا کہ حدیث صحیح کو اختیار کرتے تھے اس لئے امام شافعیؒ نے عدم اتفاق کی صورت میں صحابہؓ کے اقوال سے تمسک صحیح نہیں سمجھا اور فرمایا کہ ھم رجال و نحن رجال۔

۵- پانچویں بات یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بعض فقہا قیاس شرعی اور رائے میں فرق نہیں کرتے تھے اور اس طرح کی رائے کو جو قیاس شرعی سے بالکل الگ شے ہے بعض اوقات استحسان کہتے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس استحسان کی شدت کے ساتھ مخالفت کی اور فرمایا کہ من استحسن فانه اراد ان یکون شارعاً۔ جو شخص اس طرح کا استحسان کرے وہ مستقل شارع بننا چاہتا ہے۔

اس تفصیل سے ہمارے فقہ کے تینوں اسکولوں کا بنیادی فرق و اختلاف ایک حد تک واضح ہو گیا اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اس سلسلہ میں حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی نوعیت درحقیقت ایک جامع رابطہ کی ہے۔ فقہ کے جو اسکول اپنے اپنے دیار کے علماء و فقہا کو لیکر سمٹ گئے تھے حضرت امام شافعی نے روایات و آثار کے ظہور و شیوع سے فائدہ اٹھا کر یہ چاہا کہ وہ کتاب و سنت اور روایات و آثار کے پورے ذخیرہ سے فائدہ اٹھائیں اور سب سلف کے طریق پر ایک ہی رخ

پر آگے بڑھیں۔ ہر شخص کے پیش نگاہ صرف کتاب و سنت ہو کسی خاص دیار و سرزمین کے علماء و فقہا کے مجتہدات کو ترجیح دینے کا کوئی سوال نہ پیدا ہو کیونکہ یہ چیز گو ابتداءً محض طلب حق سے پیدا ہوئی تھی یعنی لوگوں کو دین کے معاملہ میں جن لوگوں پر زیادہ بھروسہ تھا ان سے وہ دین حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن بعد میں یہی چیز مذہبی گروہ بندیوں کی بنیاد بن سکتی تھی پس امام شافعی رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ یہ فتنہ ابھرنے نہ پائے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس سلسلہ میں ان کی خدمات کی شان بالکل مجددانہ ہے۔

اور اگر غور کرو تو یہ حقیقت بھی تمہارے سامنے واضح ہو گی کہ حضرت امام شافعیؒ نے قانون اسلامی کی وحدت کو باقی رکھنے اور اس کی حاکمیت کو انقسام سے بچانے کے لئے جو اصول قرار دیئے وہ نہایت بہترین تھے۔ ان کے اصولوں کا منشاء یہ تھا کہ دین اپنے فروع و جزئیات میں جس قدر آگے بڑھے اپنی اصل سے لگا ہوا آگے بڑھے اس سے منفک نہ ہونے پائے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس رائے کی شدت سے مخالفت کی جو اپنے لئے کسی حکم منصوص کے اندر نکلی ہوئی کوئی علت نہ رکھتی ہو اور ایسی رائے والوں کی نسبت فرمایا کہ یہ مستقل شارع بننا چاہتے ہیں۔ یہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے اصول کی وہ اصل عظیم ہے جس سے اغماض و غفلت کے نہایت خوفناک نتائج بعد میں ظہور میں آئے جن کی طرف ان شاء اللہ ہم آگے اشارہ کریں گے۔ اور وہیں یہ بھی دکھائیں گے کہ سلف میں تمام ائمہ کے اصول درحقیقت بالکل ایک تھے۔ اور ان سب میں امت کے اجتماع اور قانون خداوندی کی بلا انقسام حاکمیت بالکل محفوظ تھی۔ لیکن بعد میں لوگوں کی تنگ نظری اور حکمت دین سے بے خبری نے معاملہ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے جو اہم اور عظیم خدمت امت کے جمع و تالیف اور علم دین کی توفیق و تطبیق کے لئے انجام دی اس کو ایک حد تک سمجھنے کے لئے شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کی دو تین سطریں کافی ہیں۔

"انگلوں کے سامنے صرف ان کے شہر کی احادیث و آثار کا ذخیرہ ہوتا تھا۔ تمام بلاد کی حدیثیں اکٹھی نہیں ہوئی تھیں پس جب کبھی ایسی صورت پیش آتی کہ ان کے شہر کے ذخیرہ احادیث میں دلائل متعارض ہوتے تو وہ عام فہم و فراست کی مدد سے اس تعارض کو رفع کر دیتے۔ لیکن امام شافعیؓ کے زمانہ میں تمام بلاد اسلامیہ کی حدیثیں اکٹھی ہو گئیں اور ان حدیثوں اور ان بلاد کے فقہا کے اقوال و مختارات میں دوہرے قسم کا اختلاف و تعارض نظر آیا۔ ایک طرف تو ایک شہر کی حدیثیں دوسرے شہر کی حدیثوں سے متعارض تھیں، دوسری طرف ایک ہی شہر کی حدیثیں باہم متعارض نظر آئیں۔ ایسی حالتوں میں دوسروں کا مسلک بالعموم یہ تھا کہ اپنے اپنے شیخ کے مذہب پر قانع ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امام شافعیؒ کے زمانہ میں اختلافات کا ایک ایسا طوفان امنڈ پڑا جس کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا اور لوگ حیران و ششدر ہو کر رہ گئے اور کوئی راہ نہیں پاتے تھے کہ تائید ربانی ظاہر ہوئی اور امام شافعیؒ کو ان مختلف اقوال میں جمع و تطبیق کے قواعد الہام ہوئے اور انھوں نے اپنے بعد والوں کے لئے ایک دروازہ کھول دیا اور سبحان اللہ کیسا دروازہ کھولا؟"

(باقی)

تفسیر سورہ عبس

اس میں انبیاء کے خلق عظیم، ان کی عصمت اور ان کے مواقع عتاب کے متعلق نہایت اہم مباحث ہیں۔

قیمت ۶ر

"منیجر"

مقالات

ٹیونس

تین نگاہوں کا صید ستم

از جناب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب اصلاحی رفیق مدیر الاصلاح

ٹیونس کی موجودہ شورش، کوئی نئی شورش نہیں ہے۔ افریقہ کے اس فوجی مرکز کیلئے فرانس اور اٹلی کا باہمی اختلاف بھی اپنی نوعیت کا پہلا نہیں ہے۔ نیز وہ واقعات بھی نئے نہیں ہیں جو مسیو ڈلا ویر (وزیر اعظم فرانس) کی سیاحت ٹیونس سے رونما ہوئے ہیں۔ یہ تمام ہنگامے کسی ایسی جنگ کی صدائے بازگشت ہیں، جس کا عرصہ دراز تک، تاریخ اعادہ کرتی رہتی ہے۔ ٹیونس ہمیشہ سے ستمگروں کی نگاہوں میں کھٹکتا رہا ہے۔ وہ اس سے ہر قسم کے مادی اور فوجی فائدے حاصل کرتے رہے ہیں۔ ٹیونس نہایت زرخیز اور خوبصورت ملک ہے۔ اس کے اندر ایک فطری کشش پائی جاتی ہے۔ اس کے بری اور بحری ذرائع آمد و رفت بہت مستحکم ہیں۔ ٹیونس کے باشندے اپنے ملک کی قدر و منزلت سے واقف ہیں۔ اس کے لئے جو کشمکش ہو رہی ہے اس سے انھیں اندیشہ ہے کہ مبادا ٹیونس مشہور تاریخی شہر قرطاجنہ کی طرح کھنڈر اور ویران ہو جائے۔ قرطاجنہ کو پرانے زمانہ میں "ملکہ بحار" کہا جاتا تھا۔ لیکن جنگوں نے اسے ٹوکر ویران کر دیا۔

پرانی جنگوں کے تذکرے ٹیونسیوں کے دل میں کوئی اثر اور گدگدی نہیں پیدا کرتے۔ بحر متوسط کے دیگر ساحلی باشندوں کی طرح وہ ہمیشہ آنیوالی جنگ کی باتیں کرتے ہیں۔ آپ انھیں انکی سوسائٹیوں خاص خاص جلسوں اور قہوہ خانوں میں موجودہ سیاست کے موضوع پر مختلف قسم کی باتیں کرتے ہوئے پائیں گے۔ آج یہی چیز ان کے تمام فکر و نظر کا محور ہے۔

"ٹیونس ہمارا ہے" اٹلی اپنی دل کی گہرائیوں سے یہ صدا بلند کرتا ہے۔ فرانس برجستہ جواب دیتا ہے کہ ٹیونس: "فرانسیسی ہے اور فرانسیسی ہی رہے گا"۔

لیکن ٹیونس کے باشندے کہتے ہیں۔ ٹیونس نہ فرانسیسی ہے اور نہ اطالوی ہو وہ بربر[1] کا خطہ ہے۔ یہ خطہ فنیقیوں کی آمد و رفت، فنیقیوں پر ان کے سکونت اختیار کرنے، اور قرطاجنہ، و زیکا لبدۃ العظمٰی جیسے شہروں اور نو آبادیوں کے بسنے سے پہلے کا ہے۔ اور اس سے بھی قبل کا ہے جب ٹیونس پر قبضہ کرنے کے لئے رومانیوں، فنڈالیوں، عربوں، اسپینوں، ترکوں، اطالویوں اور فرانسیسیوں نے چڑھائی کی تھی اور ان کے درمیان جنگیں ہوئی تھیں۔ لیکن باوجود اس کے ٹیونس کے دیہاتی باشندے باہم یکساں نہیں ہیں۔ بیک وقت ایسے لوگ نظر پڑتے ہیں جن کے قد چھوٹے ہوں آنکھیں سیاہ ہیں۔ اور ایسے لوگ بھی جن کے سر اور داڑھی کے بال بھورے اور قد دراز ہیں۔

ٹیونس کے نصف باشندے خانہ بدوش بدوی ہیں جو مجبوراً اجنبی استعمار کی فرمانروائی قبول کر چکے ہیں۔ تاہم وہ مشرق سے افریقہ تک اسلام کی وسیع سلطنت کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کی اسلامی سلطنت قائم ہو کے رہے گی اور اس میں وہ شامل ہوں گے۔ ان کے لیڈر عرصے سے اپنے دلوں میں اسی خیال کی پرورش کر رہے ہیں اور اپنے خواب کی تعبیر کیلئے کامیابی کی مبارک ساعتوں کے منتظر ہیں۔ اسلامی وحدت و اشتراک (پان اسلازم) پر ان کا پختہ ایمان ہے۔ اطالوی دل میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ ٹیونس کی انھیں ضرورت ہے اس لئے

[1] بربر شمالی افریقہ کے اصلی باشندوں کو کہتے ہیں۔ رومانی بربر ان لوگوں کو کہتے تھے جو ان کی زبان میں گفتگو نہیں کرسکتے تھے۔

وہ ٹیونس کے پڑوسی جزیرہ سسلی کے سواحل سے ٹیونس کے ان ساحلی علاقوں کو تاک رہے ہیں جو تمام تجارتی گندگاہوں کے مرکز ہیں۔ مگر فرانسیسی یہ دیکھتے ہیں کہ ٹیونس کی حمایت اور نگرانی کرتے ہوئے ایک مدت گذر گئی۔ ٹیونس کا بیشتر حصہ فرانسیسی بن چکا ہے۔ الجزائر و مراکش گویا فرانس ہی کے دو ٹکڑے ہیں۔ ٹیونس فرانس کے لئے صحرا کی کلید ہے۔ بغیر اس کے افریقہ کے تمام فرانسیسی مقبوضات کی قدر و قیمت خاک میں مل جاتی ہے۔ ٹیونس کے قبضہ میں اطالوی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ فرانس، برطانیہ اور مشرق کے مابین مواصلات کا جو سلسلہ ہے اسے منقطع کرنے اور اٹلی کے سامنے ایسی دیوار کھڑی کر دی جائے جو بحر متوسط کو درمیان سے الگ الگ کر دے۔

فرانس سے ٹیونس دور نہیں ہے۔ پیرس سے بحری و بری دونوں راستے ہیں۔ اس کی مسافت بیس گھنٹہ کی ہے اور مرسیلز سے طیارہ کے ذریعہ دس گھنٹے کی۔ پیرس اور ٹیونس کے درمیان انتظام کی وجہ سے روزانہ کا سفر آسان ہے۔ لیکن روما اور ٹیونس کے درمیان طیارہ کا سفر چار گھنٹے سے زیادہ کا نہیں ہے۔ روما اور بالرمو سے وہاں تک فضائی سروس قائم ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں نیپلز سے ٹیونس تک اسٹیمر بھی جاتے ہیں جو صرف ایک رات میں پہنچ جاتے ہیں۔

بحری راستہ سے جو شخص ٹیونس جاتا ہے وہ سسلی میں ترابانی سے ایک چھوٹی کشتی پر سوار ہوتا ہے، یا مرسیلز، الجزائر، اسکندریہ سے اسٹیمر پر۔ یا پھر فضائی راستے جاتا ہے۔ جوں جوں وہ ٹیونس کے سواحل سے قریب تر ہوتا ہے۔ اس کے سامنے ایسے خوشنما مناظر آتے ہیں جو اس کے دل کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ ٹیونس پہنچنے سے پہلے الجزائر کے بے آب و گیاہ اور خشک سواحل نظر آتے ہیں۔ پر جب وہ ٹیونس کی حدود کے قریب پہنچتا ہے تو اس کی نگاہیں ایسے شاداب اور سرسبز سواحل پر پڑتی ہیں جن کے پشت پر وادیاں اور سبزہ سے ڈھکے ہوئے پہاڑ ہیں اور جن کی چوٹیوں پر بلوط اور صنوبر کے درخت ہیں۔ ٹیونس اپنے مناظر اور قدرتی مواقع کے لحاظ سے گویا یورپ کا ایک خطہ ہے۔

جس کی وادیوں میں نہریں جاری ہیں اور جہاں ریگستانوں سے مویشی اور گھوڑے چرنے آیا کرتے ہیں۔

میدانی علاقہ کی پشت پر اونچے اونچے معدنی پہاڑ ہیں جن میں لوہا، سیسہ، توتیا وغیرہ جیسی مختلف قسم کی دھاتیں پائی جاتی ہیں۔ اور کافی مقدار میں نکلتی ہیں۔ میدانی علاقہ کی زمینیں کثر مقامات پر بحری سطح سے دو ہزار قدم اونچی ہیں۔ مشرقی جانب کے میدانی علاقہ میں کھیتی ہوتی ہے۔ الجزائر سے ملے ہوئے میدانی علاقہ میں گھاس کثرت سے ہے۔ یہ علاقہ اٹلس کے بے آب و گیاہ اور جنگل پہاڑوں سے ملا ہوا ہے جو ٹیونس اور الجزائر کے درمیان جنوبی سمت کی حد طبعی ہے۔

شمالی ٹیونس کو معتدل قیام گاہ کا کام لیا جاتا ہے وہاں کا درجہ حرارت ۹۰ سے زیادہ نہیں۔ بخلاف اس کے ٹیونس (دارالسلطنت) اور اس سے ملے ہوئے ساحلی مقامات میں اکثر اوقات گرم ریگستانی ہوائیں چلتی ہیں۔ جسکے اندر لوں، غبار اور سیاہ بادل اٹھتے رہتے ہیں۔

ٹیونس کے سواحل اس انداز سے پھیلے ہوئے ہیں کہ جنوبی سمت پہاڑوں کی ایک لمبی قطار چلی گئی ہے۔ جو انگور کی بیلوں اور نارنگی کے شاداب درختوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اس کے بعد چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور ٹیلے ہیں جنکا رقبہ ہزاروں ایکڑ ہے۔ ان پر زیتون کے درخت ہیں۔ ٹیونس کے ساحلی شہر سوسہ، صفاقس، قابس ہیں۔ اندرونی حصہ میں سوسہ ہے جو عظیم الشان شہر قیروان سے ملا ہوا ہے۔ ٹیونس کے میدانی علاقہ میں مختلف قسم کے سبزوں اور سدابہار پھولوں سے ڈھکے ہوئے نخلستان ہیں جنمیں بہترین قسم کی کھجوریں بڑی مقدار میں پیدا ہوتی ہیں۔ قابس ٹیونس کے ساحلی نخلستانوں کا ایک نمونہ ہے۔

مغربی خلیج قابس کی زمین عجیب و غریب طرح سے پھیلی ہے۔ یعنی وہ نشیبی زمین ہے جو سرما اور خریف میں جوہڑ بنجاتی ہے۔ اور اس پر سے انسان کا گذرنا دشوار ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ یہ جوہڑ شفاف نالوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب سورج کی شعاعیں اسے خشک

کردیتی ہیں تو اسی زمین پر موٹریں اور گاڑیاں چلتی ہوئی دکھائی دینے لگی تھیں۔ اس وسیع قطعہ ارض میں معدنی پانیوں کے چشمے بھی پائے جاتے ہیں جہاں شفا حاصل کرنے کیلئے مختلف قسم کے جلدی امراض کے مریض آتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں ان چشموں نے اپنی معدنی خصوصیات کی وجہ سے لاکھوں رومانیوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ ٹیونسی حدود مملکت کے شمال میں شہر بیزرتہ ہے۔ یہ بحر متوسط کے ساحلی علاقوں میں نہایت مضبوط مستقر سمجھا جاتا ہے۔ یہ قدرتی قلعہ واقع ہوا ہے۔ اس کے اندر جنگی صلاحیت بہت ہے۔ فرانس نے اسے اول درجہ کا بحری مستقر بنا دیا ہے۔ بندرگاہ برسٹ اور طولون کے بعد دوسرا نمبر اسی کا ہے۔

ساحل کی چپٹی ریت کے تودوں سے گھری ہوئی ہے۔ اس کے درمیان سے نالے نکلے ہیں جو سمندر کو بحیرہ بیزرتہ شور سے ملاتے ہیں۔ یہ بحیرہ مختلف اعتبارات سے بہت ہی مضبوط قدرتی قلعہ اور بحری مستقر ہے۔ بعض بعض مقامات پر اس کی گہرائی پچاس قدم ہے۔ اندرونی حصہ ساحل پر دشوار گذار پہاڑوں کا سلسلہ ہے جن میں سے بعض کی اونچائی تین ہزار قدم ہے۔ بیرونی حملوں سے حفاظت کے لئے یہ ایک قدرتی مستحکم قلعہ ہے۔ فرانس نے اس کو اور زیادہ مستحکم کر دیا ہے اور وہاں اس کے عسکری کام برابر جاری ہیں۔

اس مستقر کی وجہ سے فرانس کی بحری عظمت بہت بڑھ گئی ہے۔ سیدی عبداللہ میں اس نے بحری قوتوں کے چند عظیم الشان کارخانے کھول دئے ہیں۔ یہ مقام سمندر سے دس میل ہے۔ بیزرتہ ایک کھاری جھیل ہے۔ اور اپنی نمکینی میں مشہور ہے۔ لیکن اس کا استعمال تجارتی مقاصد کیلئے ممنوع ہے۔ اس وقت اس میں کشتیوں کے گھاٹ، خشک حوض، آبدوز کشتیوں اور طیارات کے مستقر ہیں۔ عہدنامہ میونخ کے بعد سے یہ بحری اسٹیشن بن گیا ہے۔ بحر متوسط کے مغربی سرے سے لیکر اس کے مشرقی سرے تک انگریزی اور فرانسیسی تنگ کی لائنوں کی حفاظت میں اسکا ایک خاص درجہ حاصل ہے۔

شہر ٹیونس، بحر متوسط کے ان ساحلی شہروں سے ملتا جلتا ہے جنمیں ملکی قومیں آباد ہیں۔ انکی سڑکیں تنگ اور عمارتیں عربی وضع کی ہیں۔ یہ قومیں ان یورپین اقوام سے مختلف ہیں جنکی آبادیاں طولون یا فرانس کے وسطی شہروں سے مشابہ ہیں۔ ٹیونسی طرز تعمیر میں ایک خاص شان ہے جو قاہرہ اور الجزائر کے طرز تعمیر میں نہیں پائی جاتی۔

جب کوئی سیاح ٹیونس کی سڑکوں پر نظر تجسس سے دیکھتا ہے تو اسے مختلف قسم کے مخلوط انسان نظر آتے ہیں۔ اس وقت گویا وہ الجزائر، بیروت، اسکندریہ یا طنجہ میں ہوتا ہے بیں ہمہ جب وہ ٹیونس میں ایک عرصہ دراز تک قیام کرتا ہے۔ تو اسے بہت سے اطالوی مزدور اور آزاد پیشہ یورپین دکھائی دیتے ہیں۔ یورپینوں کی وہاں پر وسیع کھیتیاں ہیں جنمیں زیادہ تر وہ انگوروں کی کاشت کرتے ہیں اور ان کی کھیتیاں فرانسیسیوں کی کھیتیوں پر فوقیت رکھتی ہیں۔

بائی ٹیونس، محض نام کا بادشاہ ہے۔ فرانس نے آخر میں کارپوریشنوں کے کچھ اختیارات وسیع کر دیئے ہیں، لیکن جو فرانسیسی وہاں اقامت پذیر ہو گئے ہیں وہی دراصل سب کچھ ہیں۔ اور فرانس کی ٹیونس پر ایسی ہی فرمانروائی ہے جیسی دیگر مستعمرات پر، اگر فرق ہے تو بہت معمولی۔

ٹیونس اور بیزرتہ فرانس کی عسکری قوتوں کے خاص مرکز ہیں۔ اس کے علاوہ چند اور فوجی مرکز ہیں، لیکن اس کے باوجود ایسے بہت سے فوجی دستے ہیں جنمیں صرف ملکی سپاہی ہیں۔ فرانس کو آخر میں دفاعی افواج کے استحکام اور مدافعتی لائنوں کے مضبوط کرنے کا خیال پیدا ہوا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جنرل نوگیس کی نگرانی میں مراکش کو عسکری طاقتوں کا ایسا مرکز بنا دیا جائے کہ ٹیونس، مراکش یا الجزائر جہاں سے بھی چاہیں فوجیں حرکت میں لائی جا سکیں۔ لیبیا میں اٹلی کی فوجی حرکتوں سے فرانس مجبور ہو گیا ہے کہ ٹیونسی دستوں کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کر دے تا کہ وہ اٹلی کے ہر قسم کے حملوں کا مقابلہ کر سکیں۔

۱۹۳۶ء میں ٹیونس کی عام مردم شماری ہوئی تھی جس میں اس کے باشندوں کی تعداد حسب ذیل تقسیم کے ساتھ ۲ ½ ملین تھی:- ۶۲۳ر۳۳۵ر۲ مسلمان، ۰۶۸ر۱۰۸ فرانسیسی، ۲۸۹ر۹۴ اطالوی، ۴۸۵ر۵۹ یہودی۔ باقی یونانیوں، مالٹیوں اور حبشیوں وغیرہ کے مخلوط باشندے ہیں۔ یہ بااثر اور صاحب اختیار ہیں۔ ٹیونس کے دو تہائی مسلمان بربر ہیں۔ ایک تہائی عرب اور وہ بدوی ہیں جو صحرا میں آباد ہیں۔ ان میں سے کچھ فرانسیسی جنسیت اختیار کرچکے ہیں اور بیس ہزار سے زائد اطالوی جنسیت میں تبدیل ہوگئے ہیں۔ ٹیونس کے اکثر باشندے ایسے ہیں جنکے باپ فرانسیسی ہیں اور مائیں ملکی۔ بہت سے اطالوی بھی اسوقت ٹیونسی جنسیت اختیار کرنے کا مطالبہ کررہے ہیں۔ ایسے اطالویوں کی تعداد گذشتہ ستمبر میں بحساب فی ماہ ایک ہزار تھی۔

فرانس اور اٹلی کے درمیان جو معاہدات ہوئے تھے، ان کی رو سے اطالوی مہاجروں کو ٹیونس میں بعض مخصوص حقوق اور اختیارات حاصل ہیں۔ وہاں ان کے اپنے شفاخانے اسکول اور اخبارات ہیں۔ یہ مہاجرین زیادہ تر سسلی سے آتے ہیں۔ اور یہاں آکر زراعت و تجارت کرتے ہیں۔ کچھ پیڈمونٹ اور لومبارڈیا سے بھی آتے ہیں جو انجنیرنگ اور تعمیر کا کام کرتے ہیں۔ ٹیونس کے ۸۰ فیصدی اطالوی فسطائی اصولوں کے پیرو ہیں۔ انکا لیڈر سینور سانٹا ماریا اڈیٹر روزنامہ "الانیونی" ہے۔ یہ اخبار ٹیونس کے اندر اطالوی زبان میں شائع ہوتا ہے۔ ٹیونسی فاشسٹوں نے اپنے لئے سوویٹ نقشہ پر ایک پروگرام بنایا ہے، جس پر وہ مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کے خواہشمند ہیں۔

ہمارے خیال میں ٹیونس کے لئے فرانس و اٹلی کی باہمی نزاع موجودہ وقت کی پیداوار نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسوقت سے چلی آتی ہے جب ٹیونس پر فرانس کا عمل دخل بھی نہیں ہوا تھا، چنانچہ جب ۱۸۶۹ء میں ٹیونس کے بائی کمزور ہوگئے اور ملک سے انکا اثر زائل ہوگیا۔ نیز مالی قرضوں کے بوجھ سے ٹیونس کی حالت ابتر ہوگئی تو موقع شناس یورپین حکومتوں کو یہ فکر ہوئی کہ فرانس، اطالیہ اور انگریزوں پر مشتمل ایک کمیٹی

بناوے جو ٹیونس کی مالی حالت کی نگرانی کرتی رہے۔ اسوقت سے اٹلی ٹیونس کی نگرانی اور حمایت کو اپنانے کیلئے مناسب موقع کی تاک میں ہے لیکن ۱۸۸۱ء میں الجزائر اور ٹیونس کے درمیان سرحد کیلئے ایسے مناقشے پیدا ہوگئے جس سے فرانس کو ٹیونس میں اپنی فوجیں اتارنے کا موقع مل گیا۔ خاص کر جب اسے یہ محسوس ہوگیا کہ برطانیہ اسکی اس مداخلت بیجا میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کرے گا اور بسمارک اسکی پیٹھ ٹھونک رہا ہے تو اس کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ اٹلی اس کے اس تسلط پر مدت تک صدائے احتجاج بلند کرتا رہا ہے اور ۱۸۹۶ء تک اس نے اسے تسلیم نہیں کیا جب پانچ سال گذر گئے تو چپ ہورہا۔

اسوقت سے یہ نزاع برابر قدم بقدم چلی آرہی ہے۔ اطالویوں کی تعداد میں سال بسال اضافہ ہوتا جاتا ہے ۱۹۳۵ء میں مسیو لاول نے سیاحت روما کے موقع پر اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی تھی اور سینور مسولینی اور مسیو لاول کے درمیان اطالوی مشکلات کو حل کرنے کیلئے ایک راضی نامہ ہوا تھا جسکی کھلی ہوئی شرط یہ تھی کہ اطالوی موجودہ حقوق سے ۱۹۴۵ء تک فائدہ اٹھائیں۔ یہ حقوق حسب ذیل ہیں:- اسکولوں کی نگرانی، مقدمات میں حسب منشاء فاشستی تنظیم کا داخلہ، پروپگنڈا کا قیام اھ۔ لیکن گذشتہ دسمبر میں اٹلی نے اس معاہدہ کی بھی دھجیاں اڑادیں۔

ٹیونس کے اندر سیاسی پیچیدگیاں تین طرف سے پیدا ہو رہی ہیں۔

ایک طرف فرانس ہے جس نے ٹیونس پر اپنی نگرانی کا جال بچھا رکھا ہے اور قومی حکومت کے پردہ میں فرمانروائی کررہا ہے۔

دوسری طرف اٹلی ہے جو مزید تیاری اور اس کے شہروں پر مہاجروں کو بھیجکر صنعتی منڈیاں قائم کرنے کیلئے متوجہ ہو رہا ہے۔ ٹیونس پر خصوصیت کے ساتھ للچائی ہوئی نظریں اسلئے ڈال رہا ہے کہ اس سے اس کے قدیم زمانہ کے تاریخی تعلقات چلے آرہے ہیں۔ اور بحر متوسط کے فوجی مرکز کی نگرانی کیلئے ٹیونس بہت ضروری ہے۔

تیسری طرف ٹیونس کے ملکی باشندے ہیں جو بہر صورت کسی طرح کے استعمار کو پسند نہیں کرتے۔ ان کے نوجوان وحدت اسلامیہ اور اسلامی عظمت کو زندہ کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جبتک یورپی تسلط سے نجات اور پوری آزادی حاصل نہ ہوجائے، ان کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔ (ماخوذ)

تقریظ و تبصرہ

ہندستانی ۔ ناشر مکتبہ جامعہ، تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶، ضخامت ۹۰ صفحے۔ کتابت وطباعت اور کاغذ عمدہ۔ قیمت ۱۲/ ۔ پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی۔

لفظ ہندستانی جب سے باقاعدہ طور پر ایک مخصوص زبان کے لئے بولا جانے لگا ہے، اسوقت سے زبان کے جھگڑے ناگوار حد تک بڑھ گئے ہیں۔ ہر شخص ہندستانی کی ایک نئی تعریف کرتا ہے۔ یہانتک کہ ملک کی بعض ذمہ دار ہستیوں نے مختلف اوقات میں موقع و محل کا لحاظ کرکے اس لفظ کی مختلف توجیہیں کیں۔ اس سے ناخوشگواری کم ہونے کے بجائے اور بڑھتی گئی یہاں تک کہ بقول مولانا عبدالحق "یہ لفظ بھڑوں کا چھتہ بن گیا"۔ اس لفظ کی اسی نزاعی کشمکش کی وجہ سے آل انڈیا ریڈیو نے اس پر ملک کی چھ مشہور اور ذمہ دار ہستیوں سے تقریریں کرائیں۔ مکتبہ جامعہ نے یہ تقریریں کتابی صورت میں شائع کردی ہیں۔

باوجودیکہ تقریریں کرنیوالے ملک اور زبان دونوں کے ذمہ دار اشخاص ہیں لیکن یہ بھی ہندستانی کے حل میں ابھی متفق الرائے نہیں ہیں۔ ڈاکٹر تاراچند فرماتے ہیں "ہندستانی کوئی من گھڑت بھاشا نہیں ہے، یہ وہی کھڑی بولی ہے جسے میرٹھ اور دہلی کے آس پاس کے رہنے والے بہت پرانے وقتوں سے بولتے چلے آئے ہیں"۔ مولوی عبدالحق صاحب فرماتے ہیں: "زبان کے معنوں میں ہندستانی کا لفظ ہمارے کسی مستند شاعر یا ادیب یا اہل زبان نے کبھی استعمال نہیں کیا

یورپ والوں کی ایجاد ہے"۔ بہار ہندستانی کمیٹی کے نگراں اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے موجودہ صدر بابو راجندر پرشاد فرماتے ہیں "ہندستانی اس بولی کو کہتے ہیں جس کو اتر ہندستان کے سب ہی رہنے والے چاہے وہ ہندو ہیں یا مسلمان سمجھتے ہیں یہ ناگری اور فارسی دونوں اکچھروں میں لکھی جاتی ہے"۔ ڈاکٹر ذاکر حسین فرماتے ہیں "ہندستانی بس وہ زبان ہے جس میں اسوقت آپ سے باتیں کر رہا ہوں آپ کی اور میری طرح ہزاروں لاکھوں نہیں، ہمارے دیس کے کروڑوں بسنے والے ہندو مسلمان اسے بولتے ہیں اور سمجھتے ہیں، شمالی ہندستان میں عام طور پر یہی بولی بولی جاتی ہے"۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی فرماتے ہیں "ایسی بولی جسے سب سمجھ سکیں اور جسے سب سمجھ سکتے ہوں، اسے وہ کسی نہ کسی ڈھنگ سے بول بھی سکتے ہیں"۔ مسٹر آصف علی کی رائے یہ ہے کہ "اردو، ہندی، ہندستانی تین الگ زبانیں ہیں اردو تو بنی بنائی ہے اور ہندی بھی اب بن چکی ہے۔ ان دونوں کے سنجوگ سے جو گنگا جمنی زبان بننے والی ہے وہ ہندستانی ہے"۔

یہ تو نفس ہندستانی کی تعریف میں تضاد و اختلاف ہے۔ آگے بڑھکر اصل موضوع پر جو تقریریں ہوئی ہیں ان میں بھی یکسانی نہیں ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب کی زبان صاف اور ٹکسالی ہے۔ ڈاکٹر ذاکر صاحب اور آصف علی صاحب کی زبان گو سلیس ہے مگر بالکل مصنوعی ہے۔ اور یہ دونوں اسی مصنوعی زبان کو ہندستانی کہتے ہیں۔ اس کے برعکس ڈاکٹر تاراچند اور راجندر بابو کی تقریروں کی زبان بھدی اور ناگوار ہے۔ جگہ جگہ انھوں نے ہندی اور سنسکرت کے نامانوس الفاظ کھپانے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر ان تقریروں کے چند الفاظ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

پردیسیوں، انت، بھاؤ، جیبھ، گمبھیر سیوا، وچار، دو یا دوں، یا تین، شدھ، منڈلیہ، نکٹ اتل تل، پنتھوں، ہمارے جیون کے آکاش، ایک جیم کی چھایا وغیرہ، (تاراچند) اکچھروں، راشٹر بھاشا شبد، ویاکرن، دیوہار، بیکھوں، دھنکار، پٹیالا، بھو وچن، سوا بھاگ، متھو، سمان روپ،

ادھک کُشتائی، پرچلت، انتی، سندِتا، اپنے ویاکرن کو اچھوتا اور شدہ کرنا چاہئے وغیرہ (راجندر)

باوجودیکہ ہر مقرر نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ دوسری زبانوں کے جو الفاظ ہماری ہندستانی میں کٹ چھنٹ کر ایک نئی صورت اختیار کر چکے ہیں ان کو اسی صورت میں رہنے دینا چاہئے۔ ان کی اصلیت کی طرف لوٹانا بڑی بھول ہے۔ مگر ڈاکٹر تاراچند کو یہ اصول شاید ناپسند ہے۔ وہ اب پردیسی کو پرودیسی، بچار کو وچار، ناڑی کو ناری، برس کو ورش، بس کو وش، جتن کو یتن، کارن کو کارنڑ، اچرج کو آشچریہ لکھتے ہیں۔ بعض دوستوں کو ڈاکٹر صاحب کی ان حرکتوں پر تعجب ہے لیکن ہمیں کوئی تعجب نہیں ہے۔ وہ کئی سال سے ہندستانی کو سنسکرت کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مارچ ۱۹۳۳ء میں ہندستانی اکیڈمی کا جو اجلاس ہوا تھا اس میں ڈاکٹر صاحب نے بحیثیت سکریٹری جو شکریہ پیش کیا ہے اس کا ہر فقرہ ہمارے اس دعوی کا ثبوت ہے۔

یہ انہی کا ارشاد ہے۔

"یدی ہم ابھی اس بات کے لئے تیار نہ ہوں کہ بالکل نئی لپی کو سویکار کریں" تو سوال بڑے مہتو کا ہے" کیونکہ اس کے ٹھیک ٹھیک حل ہونے پر ہماری سنگٹھن کا بھوشیہ نربھر ہے" اسی لئے ایسے ہی اور پرشنوں پر وچار کرنے کیلئے یہ کانفرنس ہو رہی ہے۔ مجھے آشا ہے کہ راشٹر ازبل سریچھ بیا پربو جن کے گیان ان بھو اور ویویک کے لئے ہمارے دلوں میں بڑی شردھا ہے۔ ہمارے وچاروں کو اچھے راستے پر ڈالیں گے۔" جب اور سجنوں نے انکار کر دیا، آپنے سبھاپتی کا پد سویکار کر ہمیں بادھت کیا۔"

راجندر بابو سے ہمیں زیادہ شکایت ہے۔ بہار ہندستانی کمیٹی کے صدر ہونے کی وجہ سے ان کی ذمہ داریاں بہت بڑھی ہوئی ہیں۔ انھوں نے اگر انصاف کو راہ نہ دی تو شاید مشترکہ زبان کی جو امید بہار کمیٹی سے بندھی ہے، پوری نہ ہو سکے

سیاسیات کی پہلی کتاب۔ مصنفہ جناب سید محمد عاقل ایم اے تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۲۰۰ صفحے۔ کتابت و طباعت متوسط، کاغذ سفید گلیز، قیمت عہر پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی۔

اس کتاب میں سیاسیات کے ابتدائی اصولوں کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے ریاست کی تعریف، اس کے مبادیات، اس کے لازمی عناصر، حکومت و ریاست اور قوم و ملت کے فرق اور ملی حقوق کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ریاست کی ابتدا کے بارے میں یورپین مفکرین کے نظریات بیان کئے گئے ہیں اور سب سے آخر میں ریاست کے اقتدار اعلیٰ، افراد کی آزادی کے باب میں قانون کے مختلف مفاہیم اور اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کا مقصد غالباً اردو داں طبقہ کو فن سیاست کے مسائل سے آشنا کرنا ہے لیکن یہ مقصد اس سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان کے لئے ایسی کتابوں کی ضرورت ہے جن میں مسائل کو سلجھا کر لکھا گیا ہو۔ اس کتاب میں یہ کوشش نہیں کی گئی ہے تاہم اس طرح کی چیزیں اردو میں کمیاب ہیں اسلئے جو کچھ ہاتھ میں آئے اس کو غنیمت جاننا چاہئے۔

مسئلہ قومیت مصنفہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تقطیع ۲۰×۲۲ حجم ۱۴۴ صفحے کتابت و طباعت نہایت بہتر کاغذ عمدہ۔ قیمت عہر محصولڈاک علاوہ پتہ:۔ دفتر رسالہ ترجمان القرآن۔ ملتان روڈ لاہور۔

یہ کتاب مصنف کے تین مضامین کا مجموعہ ہے۔ ابتدائی دو مضمون آج سے ۶-۷ سال پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ تیسرا مضمون مولانا حسین احمد مدنی کے رسالہ متحدہ قومیت اور اسلام پر تبصرہ ہے۔ جو تقریباً ایک سال پہلے شائع ہوا ہے۔ ان مضامین میں مصنف نے قومیت کے مسئلہ پر مختلف حیثیتوں سے روشنی ڈالی ہے اور اس بارہ میں اسلامی نظریات اور غیر اسلامی نظریات میں جو اصولی فرق ہے ان کو نمایاں کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمان نہ کسی نسلی و وطنی قومیت کے اصول کو قبول کر سکتا ہے اور نہ کسی غیر مسلم کے ساتھ مل کر قومیت کی تعمیر کر سکتا ہے۔

اعلانِ حقیقت شائع کردہ محکمۂ اطلاعات عامہ حکومت بہار۔ تقطیع ۲۰×۲۶/۸ حجم ۴۰ صفحے کتابت و طباعت متوسط۔ کاغذ معمولی۔ پتہ:۔ محکمۂ اطلاعات عامہ حکومت بہار۔

گیا کے فرقہ وارانہ فساد کے متعلق مسلم لیگ نے حکومت بہار اور مقامی حکام پر جو الزامات لگائے تھے انکا حکومت بہار کی جانب سے اس رسالہ میں جواب دیا گیا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ الزامات اور جوابات کس حد تک صحیح ہیں۔ تاہم جن لوگوں کو اس طرح کی اخباری چیزوں سے دلچسپی ہے وہ اس رسالہ کو بھی پڑھ لیں۔ غالباً محکمۂ اطلاعات عامہ بہار سے مفت ملے گا۔

البیان مرتبہ جناب حکیم محمد حسین تقطیع ۲۰×۲۶/۸ ضخامت تقریباً ۴ جزء کتابت و طباعت صاف ستھری۔ کاغذ سفید گلیز۔ قیمت سالانہ تین روپیہ۔ پتہ:۔ دفتر امت مسلمہ امرتسر (پنجاب)

یہ رسالہ امت مسلمہ امرتسر کا جدید ارگن ہے۔ اس کے سابق ارگن "بلاغ" کے حالات سے الاصلاح کے قارئین اچھی طرح واقف ہیں۔ مقاصد و خصوصیات اور مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے بلاغ اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی مسائل کی غلط توضیح و تشریح اور قرآنی آیات کو عربی اسلوب بیان سے بے پروا ہو کر اپنے منشاء کے مطابق ڈھالنے میں یہ بلاغ سے بھی زیادہ بے قید و بیباک ہے۔ اس کے اندر بھی آخر کے چند صفحات خواجہ احمد الدین صاحب مرحوم کی تفسیری یادداشت کے ہوتے ہیں۔ اس یادداشت کے متعلق ہم نے عرصہ ہوا اپنے مشورہ دیا تھا کہ اسے روک کر امت کو کوئی مفید کام کرنا چاہئے مگر ہمارے اس مشورہ کی کوئی قدر نہیں کی گئی۔ ہم اپنے مشورہ کو پھر دہراتے ہیں اور ان دوستوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اللہ اپنے حال پر رحم کریں۔ مسلمانوں کو، قرآن کو اسطرح کی خرافات سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ مگر وہ اس سے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں جو ان کے لئے کوئی پر منفعت تجارت نہیں ہے۔

تفسیر سورہ عصر

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورہ عصر کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ تفسیر خصوصیت کے ساتھ بعض دقیق مباحث قرآنی کی حامل ہے۔ لفظ عصر کی تحقیق اور زمانہ کی قسم کی تاویل نہایت بصیرت افروز ہے۔ آخر میں ایمان کے مفہوم اور حق و صبر کے باہمی تعلق کی تشریح بھی بڑی اثر انگیز اور ایمان افروز ہے۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۴۰ صفحے۔ کاغذ عمدہ۔ کتابت و طباعت جاذب نظر۔ قیمت ۶/

تفسیر سورہ لہب

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ کی تفسیر سورہ لہب کا اردو ترجمہ ہے۔ اسمیں عام خیال کی مدلل تردید کی گئی ہے کہ یہ سورہ بد دعا ہے۔ ابولہب اور اس کی بیوی کے وجوہ ذکر نہایت اثر انگیز ہیں۔ اس تفسیر کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا۔ کتابت و طباعت بہترین، کاغذ نہایت عمدہ۔ حجم ۴۸ صفحے۔ قیمت ۶/

تفسیر سورہ کافرون

اس میں ہجرت اور برأت کا اصلی فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ اور نبوت کے مراحل و مقامات کی توضیح اس قدر حکیمانہ انداز میں کی گئی ہے کہ قرآن مجید کی بیشمار مشکلات آپ سے آپ حل ہو گئی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین۔ کاغذ عمدہ۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۴۰ صفحے۔ قیمت ۴/

منیجر